ماهنامہ
صراطِ مستقیم
برمنگھم
March 2021
تفسیر احسن البیان
شرح عمدة الأحكام
COVID-19
CORONAVIRUS
VACCINE
0.5ml For IM use only
License No: 170985

Vol: 41 No. 05 March 2021

Rajab/ Shaban 1442 AH

جلد: 41 شمارہ: 05 مارچ 2021ء

رجب، شعبان 1442ھ

فہرست مضامین

Correspondence Address:
SIRAT-E-MUSTAQEEM
20 Green Lane, Small Heath,
Birmingham B9 5DB
Tel: 0121 773 0019
Fax: 0121 766 8779

ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ
Markazi Jamiat Ahl-e-Hadith UK
www.mjah.org.uk/siratemustaqeem
E-mail: info@mjah.org.uk

کووڈ ویکسین افواہیں اور اسلامی نقطۂ نظر

محمد حفیظ اللہ خان المدنی

اس وقت بلاشبہ روئے زمین پر کورونا وائرس وہ واحد نام ہے جو لاکھ بدنام سہی مگر بلاتردد نہ صرف ہر فرد اس کے نام سے واقف ہے بلکہ اس کی زہرناکیوں سے بھری کارروائیوں کا بھی علم رکھتا ہے۔ اکتوبر 2019ء میں چین کے شہر وریان سے برآمد ہونے والا یہ مہلک وائرس، اب تک ڈھائی ملین سے زائد انسانوں کو لقمہ اجل بنا چکا ہے۔ دنیا کے 121 ممالک کے 110 ملین سے زائد افراد فی الوقت اس کا شکار بنے۔ موت وزیست کی تکلیف دہ آزمائش میں مبتلا ہیں۔ اس مہلک وائرس کا شکار ہو کر بچ جانا گویا موت کے منہ سے نکلنے کے مترادف ہو چکا ہے۔ جدید طبی تجربات کے مطابق اس وائرس سے شفایاب افراد کو مکمل صحت مندی کی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔ کیونکہ یہ مرض نہ صرف اپنے پیچھے انتہائی بھیانک بلکہ خوفناک یادیں چھوڑ جاتا ہے بلکہ کئی ایک جسمانی اعضاء کو مختلف بیماریوں کے حوالے کر جاتا ہے۔

اس وائرس نے جہاں لاکھوں انسانی جانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا کر رکھ دیا وہیں اس کی وجہ سے عالمی تجارتیں، چھوٹے بڑے کاروبار بھی بری طرح متاثر ہوئے۔ اسکولز اور کالجز کو تالے لگا دیئے گئے، مسجدیں مرثیہ خوانی کرنے لگیں کہ نمازی نہ رہے، بیروزگاری آسمان کو چھونے لگی۔ کووڈ کا جان لیوا خوف وہراس ہمیشہ ذہنوں پر مسلط، اس پر مستزاد لاک ڈاؤن نے ہستے بستے آباد شہروں، محلے اور گلی کوچوں کو ویرانے میں تبدیل کر دیا۔ گھروں میں بند افراد میں ذہنی ساز کو ڈپریشن کی شکایات عام ہونے لگیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خوشگوار زندگیوں میں زہر گھلنے لگا۔

الغرض زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں کہ اس وائرس نے جس کو شکار نہ بنایا ہو۔ مگر اللہ رب العزت کی ذات رحیم کریم ہے وہ اپنے بندوں کو آزمائش سے دوچار کرتا ہے تو اس آزمائش سے نبرد آزما کرنے کی صلاحیت بھی عطا فرماتا ہے۔

الحمد للہ، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مدد اور اسکے کرم سے ایک سال کے طویل صبر آزما مرحلے کے بعد دنیا کے مختلف سائنسدانوں اور طبی ماہرین کی شب و روز محنت اور عرق ریزی کے بعد اس مہلک وبا سے محفوظ رہنے کا علاج ویکسین کی شکل میں دریافت کر لیا گیا۔ جو کہ اب نہ صرف برطانیہ کے ہر شہر و دیہات میں دستیاب ہے بلکہ دنیا کے کم وبیش تمام ملکوں میں اس کی فراہمی کو ممکن بنایا جا چکا ہے۔ یہ وہ ویکسین ہے کہ جس کو لگانے والا تقریباً اس وبا سے محفوظ ہو جاتا ہے بلکہ اپنے آس پاس کے ماحول میں اس وبا کو پھیلنے سے روکتا بھی ہے۔

الحمد للہ اب تک برطانیہ میں کئی ملین افراد کو یہ ویکسین لگائی جاچکی ہے۔ مگر حیران کن امر یہ ہے کہ اس ترقی یافتہ دور میں اس تباہ کن مہلک وائرس کی تمام تر حشر سامانیوں کا علم رکھنے کے باوجود کچھ لوگ برطانیہ سمیت دیگر ممالک میں ایسے ہی ہیں کہ جو اس ویکسین کے حوالے سے مختلف بے بنیاد افواہوں کا شکار ہو کر غلط فہمیوں میں مبتلا ہو چکے ہیں۔

حکومت کی جانب سے شائع کی جانے والی رپورٹس کے مطابق برطانیہ کی ایشیائی کیونٹی خصوصاً مسلمانوں میں ایسے افراد بکثرت موجود ہیں جو ویکسین کے حوالے سے تذبذب کا شکار ہیں۔ افواہیں تو بہت ساری ہیں بطور مثال عامۃ الناس میں یہ غلط فہمیاں پھیلائی گئی ہیں کہ کورونا وائرس فلو سے زیادہ خطرناک نہیں۔ یہ ویکسین ناقابل تلافی نقصان کا موجب ہو سکتی ہے۔ ویکسین میں حرام اجزاء خنزیر یا دیگر حیوانی اجزاء شامل ہیں۔ ویکسین میں ایسی میکرو چپ ڈال دی گئی ہے جس کے ذریعے حکومتیں عوام کی خفیہ نگرانی کر سکتی ہیں۔ ویکسین آپ کے ڈی این اے کو تبدیل کر سکتی ہے۔ ویکسین آپ کے اندر بانجھ پن پیدا کر دیتی ہے۔ ویکسین صرف عمر رسیدہ افراد کے لیے بنائی گئی ہے نوجوانوں کو اس کی ضرورت نہیں۔ وغیرہ وغیرہ

بہر حال ان حالات میں ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے کہ عوام الناس کی طرف سے پھیلائی جانے والی بے بنیاد افواہوں کو ہی اپنا مبلغ علم بنانے کے بجائے ﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾(النحل:43) کے اصول کی پیروی کرتے ہوئے ویکسین کا علم رکھنے والے سائنسی ماہرین اور طبی شعبہ میں تجربہ رکھنے والوں سے اس کی حقیقت دریافت کرنے کی کوشش کی جائے مگر معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ویکسین کے معاملے میں ہر کس وناکس کی بات پر فی الفور یقین کرنے کے لیے تو ہم تیار ہیں مگر سائنٹسٹ یا ڈاکٹر کی رائے کو مشکوک اور غیر یقینی گردانتے ہیں۔

ہر کہی جانے والی بات ضروری نہیں کہ صحیح ہو۔ یا تو وہ مکمل غلط بیانی پر مبنی ہو گی یا اس بات کے آپ تک پہونچانے میں کتر و بہونت سے کام لیا ہو گا۔ لہٰذا قرآن مجید کے زبان﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا﴾(الحجرات:6) کے مطابق ہر ایرے غیرے کی بات پر یقین کرنے کی بجائے اس کی تحقیق کر لینا شرعا فرض ہے ،بلا تحقیق سنی سنائی افواہوں پر یقین کر لینا ہر گز ایک مسلمان کا رویہ نہیں ہو سکتا۔ نیز معاملہ اس وقت مزید گھمبیر ہو جاتا ہے جب ان افواہوں پر

یقین کرنے والے بلا تاخیر ان افواہوں کو بڑھا چڑھا کر دوسروں تک پہنچانا اپنا شرعی فریضہ سمجھنے لگتے ہیں۔ چنانچہ صورت حال یہ ہے کہ فیس بک سے لے کر واٹس ایپ تک اس حوالے سے گمراہ کن افواہوں کی بھرمار ہے اور حیرانگی کی بات یہ ہے کہ ان افواہوں پر یقین کرنے والے کوئی ان پڑھ لوگ نہیں بلکہ طلباء اور تعلیم یافتہ لوگوں کا ایک بڑا طبقہ اس میں شامل ہے۔ بہر حال مسلمان کی حیثیت سے جو لوگ ان بے بنیاد افواہوں کو دوسروں تک پہنچانے کی سعی مذموم کر رہے ہیں بلاشبہ حدیث رسول ﷺ کے مطابق اپنے آپ کو اسلام کی نظر میں جھوٹوں اور گنہگاروں کی فہرست میں شامل کر رہے ہیں۔ جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ» (صحیح مسلم:7) آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو بلا تحقیق دوسروں کو منتقل کر دے۔

ویکسین کے حوالے سے پائی جانے والی تمام غلط فہمیوں کی تردید یہاں مقصود نہیں۔ تمام کی تمام محض بے بنیاد افواہوں پر مشتمل ہیں۔ ہاں صرف اس غلط فہمی کی وضاحت ضروری ہے کہ جس کا تعلق حرام و حلال سے ہے۔ چنانچہ برطانیہ کے ماہر مسلم اور غیر مسلم ڈاکٹرز کے بیان کے مطابق یہ ویکسین ہر قسم کے حرام اجزاء سے پاک ہے۔ اس بیان کے بعد بھی بالفرض اگر کسی کو شک ہے کہ اس میں حرام اجزاء شامل ہیں تو یاد رہے کہ وہ چاہے الکوحل ہو یا حیوانی اجزاء انہیں مختلف کیمیاوی مراحل سے اس طرح گزارا جائے کہ جس کی وجہ سے اس حرام جزاء کی ماہیت اور حقیقت تبدیل ہو جاتی ہے۔ جس کو فقہی اصطلاح میں استحالا سے تعبیر کیا جاتا ہے چنانچہ استحالا کے ذریعے بنائے جانے والی دوائیوں کو علماء امت نے جائز قرار دیا ہے۔

نیز حرام جزء کی ماہیت کی تبدیلی کے بعد بھی اگر کوئی اس کو حرام ہی سمجھتا ہے تو پھر موجودہ حالات میں جان کی حفاظت کی غرض سے ایسی ویکسین کا لینا ضروری قرار پاتا ہے کیونکہ جان کی حفاظت کو شریعت کے پانچ اہم مقاصد میں سے ایک اہم مقصد قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ وہ شخص جس کو بھوک اور پیاس کی شدت کی وجہ سے موت کا خطرہ لاحق ہو، اس کے لیے حرام چیز بھی حلال قرار دی گئی ہے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ﴾ (البقرہ: 173) "ایسا شخص جو مجبور ہو جائے اور وہ حد سے بڑھنے والا اور زیادتی کرنے والا نہ ہو اس پر ان کے کھانے میں کوئی گناہ نہیں۔"

اس حوالے سے امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ اس آیت کی روشنی میں معروف تابعی اور محدث امام مسروق رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ سخت اضطرار کی حالت میں حرام غذا سے اجتناب کرنے کی وجہ سے اگر کسی کو موت واقع ہو جاتی ہے تو اسکو خودکشی کی موت قرار دیا جائے گا۔ بہر کیف ویکسین کے حوالے سے پھیلائی جانے والی بے بنیاد افواہوں پر کان دھر کر نہ صرف ہم اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں بلکہ اس قاتل وائرس کو مزید پھیلانے کا ذریعہ بن رہے ہیں۔

مولانا ثناء اللہ سیالکوٹی پُر ملال انتقال

یہ خبر تمام جماعتی اور غیر جماعتی حلقوں میں بے انتہا غم اور افسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ برطانیہ کے معروف عالم دین مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ کے سابق امیر مولانا ثناء اللہ سیالکوٹی 12 فروری 2021ء جمعہ کے روز 73 سال کی عمر میں مختصر علالت کے بعد اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون

مولانا کا تعلق پاکستان کے مردم خیز علاقے سیالکوٹ سے تھا۔ جمعیت کے سابق ناظم اعلیٰ مولانا محمود احمد میرپوری کی خواہش پر آپ نے برطانیہ کا رخ کیا، ایک طویل عرصہ جمعیت کی برانچ اسکیٹن میں خطابت و امامت کے علاوہ درس و تدرس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ان تمام ذمہ داریوں کے باوجود جماعت کے جملہ دعوتی، تبلیغی اور عملی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ خصوصاً مولانا محمود احمد میرپوری کی رحلت کے بعد آپ نے جماعت کی تمام سرگرمیوں کو جاری رکھنے پر پوری اخلاص، محنت اور جدوجہد کا ثبوت دیا۔ اور پھر جماعت کے امیر کی حیثیت سے جماعت کی نشاتات کو مؤثر بنانے اور جماعت کو مزید متحرک کرنے میں ہر ممکنہ کوشش کی۔ مولانا کو تقریر سے کہیں زیادہ تحریر سے لگاؤ رہا۔ چنانچہ اپنے پیچھے کئی مفید اور اصلاحی کتابیں چھوڑ گئے۔ علاوہ ازیں بڑی عرق ریزی، محنت و لگن کے ساتھ مجلہ صراط مستقیم میں شائع کیے جانے والے مولانا محمود احمد میرپوری کے فتاوی اور مقالات کو کتابی شکل دے کر شائع کروایا۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا کو بہت ساری خوبیوں سے نوازا تھا۔ مہمان نوازی تو ان کا شعار تھی۔ سادگی، تواضع اور خاکساری کو کوئی ان سے سیکھے۔ ملنساری اس قدر کہ اجنبی کو اپنا دوست بنا لیتے۔ جماعتی ساتھیوں کے ساتھ ہمیشہ محبت، شفقت اور ہمدردی کا رویہ اپنائے رکھا۔ قول و عمل میں اخلاص لہجے میں انسانیت، گفتگو میں ادب و احترام مولانا کی خصوصیت تھی۔ تحریر ہو کہ تقریر یا عام گفتگو ہر جگہ سادگی کو اپنائے رکھا۔ بھاری بھر کم الفاظ اور نستعلیق زبان استعمال کر کے مقابل کو مرعوب کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔

جس بات کو حق سمجھتے اس کا اظہار کرنے میں تامل نہ کرتے۔ سخت سے سخت اور نہایت کٹھن حالات میں بھی حق پرستی اور سفید پوشی کو اپنائے رکھا، اللہ تعالیٰ نے ان کو سعادت مند، دینی و دنیوی علوم سے آراستہ اولاد سے نوازا۔ جس پر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے شکر گزار رہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ ان کے اہل خانہ و پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، مولانا کی نیکیوں کو درجہ قبولیت سے نوازے۔ ان کی لغزشوں سے درگزر فرمائے اور جنت کے اعلیٰ درجات سے نوازے۔ اَللّٰھُمَّ اغفر وارحمه وادخله فسيح جنات

حمد و ثنا کے بعد، اللہ کے بندو! مجھے اور آپ سب کو دل اور زبان سے خوشی اور ناراضی میں، مشکل اور آسانی میں ہر موقع پر خوفِ خدا اختیار کرنے کی نصیحت کی گئی ہے۔ خوفِ خدا بندۂ مؤمن کا بہترین زادِ راہ ہے۔ اسی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا ساتھ نصیب ہوتا ہے اور اسی سے ہر خوف اور ڈر ختم ہو جاتا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

"سُنو! جو اللہ کے دوست ہیں، جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ کا رویہ اختیار کیا۔ ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے"(سورۃ یونس: 62-63)

اے مسلمانو! بنی نوع انسان کے تمام دانشمند لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ اجتماعیت ہی میں خیر وہدایت ہے اور تفرقے میں برائی اور گمراہی ہے۔ دولوگوں کا اجتماع ایک آدمی کی تنہائی سے بہتر ہے، تین کا دو سے اور چار کا اتحاد تین سے بہتر ہے...

اجتماعیت اپنانے والی قومیں کبھی ذلیل نہیں ہوتیں، جبکہ تفرقہ باز قومیں کبھی کامیاب نہیں ہوتیں، نیزوں کے اکٹھ سے ایک نیزہ کبھی نہیں ٹوٹتا اور دوسرے نیزوں کے اکٹھ سے الگ ہو جانے والا نیزہ کبھی سلامت نہیں رہتا۔ ایک یا دو کے ساتھ تو شیطان ہو سکتا ہے مگر تین یا ان سے زیادہ تعداد کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ فرمانِ نبوی ﷺ ہے: "اکیلا سوار شیطان ہے، دو سوار بھی شیطان ہیں، مگر تین سوار تو ایک قافلہ ہیں۔" (سنن ابو داؤد: 2607)

اسی طرح فرمایا:

"جو جنت کے درمیانی حصہ میں جانا چاہتا ہو، وہ جماعت سے جڑا رہے، کیونکہ اکیلے شخص کے ساتھ شیطان ہو سکتا ہے البتہ دو کے ساتھ شیطان کا ہونا مشکل ہے۔" (جامع ترمذی: 2165)

اللہ کے بندو! دینِ اسلام نے نظمِ اجتماعی کو بہت ملحوظ رکھا ہے، اس کی حفاظت کرنے والی ہر چیزوں کی ترغیب دلائی ہے اور اسکے بگاڑ کا راستہ روکا ہے اور متعدد مقامات پر افراد کے مقابلے میں جماعت اور امت کے حق کو ترجیح دی ہے، کیونکہ اگر ہر شخص جماعت اور امت کے مفاد کے سامنے اپنے مفاد کو ترجیح دینے لگے تو امت کی اجتماعیت، اور اس کا استحکام ختم ہو جائے گا، تفرقہ بازی، کنجوسی اور خود پسندی پھیل جائے گی اور ہر کوئی یہ دعویٰ کرنے لگے گا کہ وہ دوسرے کی نسبت زیادہ برحق ہے۔

چنانچہ دینِ اسلام نے ان تمام چیزوں کے متعلق واضح ہدایات دی ہیں کہ جن سے مسلمانوں میں فرقہ واریت اور اختلاف پھیلنے کا اندیشہ ہو۔ اسی طرح جائز اختلاف رائے کو اختلافات اور انتشار میں بدلنے کی تمام راہیں روکی ہیں۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: "جب تم ایک حاکم کی حکمرانی پر متفق ہو اور کوئی آکر تمہارے درمیان انتشار پیدا کرنے کی کوشش کرے تو اسے قتل کر دو۔" (صحیح مسلم)

دیکھو! اللہ کے بندو! کس طرح اس حدیث میں انفرادی اور چھوٹے مفاد پر بڑے اور جماعتِ مسلمین کے مفاد کو ترجیح دی گئی ہے۔ یہاں تک کہ اگر نظمِ اجتماعی کے مفاد کے لیے کسی شخص کو مار ڈالنا لازمی ہو جائے تو بھی اس کے مفاد کو ترجیح دی جائے گی اور اس کی حفاظت کا خیال کیا جائے گا۔

اللہ آپ کی نگہبانی فرمائے! کیا آپ نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا کہ علمائے اسلام نے اپنی آنکھوں سے چاند دیکھ لینے والے کو یہی حکم دیا ہے کہ اگر اس کی گواہی قبول نہ کی جائے تو وہ باقی مسلمانوں کے ساتھ ہی روزے رکھے اور انہی کے ساتھ عید کرے۔ فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

"روزہ اسی دن شروع ہوتا ہے جس دن سارے مسلمان روزہ رکھیں اور عید الفطر بھی اسی دن ہوتی ہے جس دن سارے مسلمان عید کریں اور عید قربان بھی اسی دن ہوتی ہے کہ جس دن سارے مسلمان عید کریں۔" (جامع ترمذی)

علما فرماتے ہیں کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ روزہ اور عید لوگوں کی زیادہ تعداد ہی کے ساتھ ہوتی ہے۔

اللہ کے بندو!

جب بھی کوئی شخص جماعت سے الگ ہوتا ہے تو غرور اس کا قائد اور خود پسندی اس کی رہبر بن جاتی ہے۔ پھر وہ ہر شکاری کا شکار اور ہر لالچی کے لیے تر نوالہ بن جاتا ہے۔ تاہم جب کوئی نظم اجتماعی سے مل جاتا ہے تو وہ مسلمانوں کے جسد کا ایک حصہ بن جاتا ہے، ایسے میں جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو سارا جسم اس کی فکر میں بخار اور بے چینی محسوس کرتا ہے۔

اللہ کے بندو! اگرچہ قرآن وسنت میں نظمِ اجتماعی کے ساتھ جڑے رہنے کی تلقین کی گئی ہے، عقل بھی اسی کی قائل ہے اور ایسا نہ کرنے کا خطرہ بھی واضح کیا گیا ہے، تاہم کچھ لوگوں کو دوسروں کی مخالفت اور نظمِ اجتماعی سے علیحدگی میں عجیب مزا آتا ہے۔ انہیں اس وقت تک چین نہیں آتا جب تک وہ نظمِ اجتماعی سے الگ ہو کر نمایاں نہیں ہو جاتے، چنانچہ وہ کسی بات پر بھی نظم اجتماعی سے اتفاق نہیں کرتے۔ ایسے لوگ جماعت سے الٹ

چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ جیسے بھی ہو، ہر جگہ ان کا چرچا لازمی ہونا چاہیے۔ چنانچہ جب لوگ دائیں طرف چلتے ہیں تو وہ بائیں طرف ہو جاتے ہیں۔ جب لوگ "ہاں" کہہ رہے ہوں تو اس وقت انہیں "نہ" کہنا محبوب ہو جاتا ہے اور جب لوگ "نہ" کہیں تو وہ بالضرور "ہاں" کہتے ہیں۔

ایسے لوگ حق پرست یا عدل وانصاف کے طالب نہیں ہوتے، بلکہ ان کا مقصد لوگوں میں اختلاف پیدا کرنا اور ان کی اجتماعیت کو ختم کرنا ہوتا ہے۔ وہ لوگوں کا موضوعِ گفتگو بننا چاہتے ہیں، چنانچہ وہ اعتراضات کر کے اور دوسروں کے خلاف جا کر اپنی اہمیت جتاتے ہیں، چاہے ایسا کرنے کی خاطر انہیں خود پسندی اور دوسروں کی بے جا مخالفت جیسا مکروہ، یا حرام کام ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

خدا کی قسم! یہ راستہ بے عقل، ہٹ دھرم اور متکبروں کا راستہ ہے، جنہیں لوگوں کو پریشان اور منتشر کرنے میں مزا آتا ہے۔ جو امت کے بڑے دھاروں کی رائے کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور اپنی رائے کی درستی کے لیے تصوراتی اور غیر حقیقی راہیں تراشتے ہیں۔ دانشمندوں کا طریقہ یہ ہے کہ جب جماعت درستی پر ہو تو اس کا ساتھ دیا جائے اور جب وہ غلطی پر ہو تو بھی اسی کے ساتھ رہا جائے، مگر نصیحت، صبر اور درگزر سے کام لیا جائے۔ اس طرح وہ اجتماعی راستے سے نہیں ہٹتے اور نظم اجتماعی سے الگ بھی نہیں ہوتے، کیونکہ نظم اجتماعی کے غلطی پر ہونے سے سارے نظم اجتماعی ہی کو چھوڑ دینا جائز نہیں بن جاتا، بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ نظم اجتماعی کے فیصلوں کے ساتھ چلا جائے اور ان کی مخالفت سے اپنے آپ کو دور رکھا جائے۔ اسی سے الفت بھی دائم رہتی ہے اور محبت بھی بڑھتی ہے۔ اسی سے اجتماعیت بھی نصیب ہوتی ہے اور انتشار ختم ہوتا ہے۔ اسی سے اجتماعیت کو نقصان پہنچانے والوں کی راہ بند ہوتی ہے۔

اگر اجتماعیت ختم ہو جائے تو پھر دشمنی، بغض، خود پسندی اور حق سے دوری عام ہو جاتی ہے اور ایسی حالت میں اس سے بچنا ممکن نہیں رہتا۔ غور کیجیے کہ جماعت سے علیحدہ ہونے والوں میں کتنے خود پسندی اور غرور کا شکار ہو گئے، ان کے گمان درست نہ نکلے پھر وہ اپنے ارادے کے برعکس چل پڑے۔ تنہا لوگ ہی ہلاکت کے گرداب میں گھرتے ہیں اور بھیڑیا بکریوں کے ریوڑ کو نہیں بلکہ ریوڑ سے الگ ہونے والی بکریوں کو کھاتا ہے۔

نظم اجتماعی کے ساتھ وابستگی کے دعووں کی حقیقت اسی وقت معلوم ہوتی ہے جب جماعت کسی مشکل میں گھر جاتی ہے یا اس کے سامنے مشکلات نظر آنے لگتی ہیں۔ اسی وقت سچا اور جھوٹا الگ الگ ہوتا ہے اور اسی وقت حقیقی آنسو مگرمچھ کے آنسو سے ممتاز ہوتے ہیں۔ بہت سے لوگ یہ دعویٰ تو کرتے ہیں کہ وہ نظم اجتماعی کے ساتھ ہیں، مگر جب نظمِ اجتماعی پر کڑا وقت آتا ہے تو ان کے دعوے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اور ان کی خود پسندی آشکار ہو کر دوسروں کو ڈرانے اور رسوا کرنے لگتی ہے۔ پھر وہ جماعت سے یوں نکل جاتے ہیں جیسے آٹے سے بال نکالا جاتا ہے۔

ایسے لوگ اجتماعیت کے نظام کا سب سے بڑا خطرہ ہیں، کیونکہ ان کا جسم تو اجتماعیت کے ساتھ ہوتا ہے مگر دل کسی اور کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ تعداد میں تو اضافہ کرتے ہیں مگر درحقیقت اجتماعیت میں کمی کرتے ہیں۔

ایسے لوگوں سے چوکنے اور خبردار رہیے۔ اجتماعیت کو یہی لوگ نقصان پہنچاتے ہیں۔ ان کی وجہ ہی سے انتشار پیدا ہوتا ہے۔ جسم کے اندر سے حملہ آور ہونے والی بیماری باہر سے آنے والی بیماریوں سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کی مثال چراگاہ میں چھپے بھیڑیوں کی سی ہے کہ جن کی کمین گاہ کو بصیرت اور دانشمندی والے ہی جان سکتے ہیں، چرنے والی معصوم بکریاں ان سے بے خبر رہتی ہیں۔

عربی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

جب میں نے چرواہوں کو غفلت میں پایا اور چراگاہ سے بھیڑیے کی چاپ سنی تو میں نے بلند آواز میں خبردار کر دیا کہ غافل مت ہونا! میں نے چراہ گاہ میں بھیڑیے کی کمین گاہ دیکھی ہے۔

اللہ کے بندو! اجتماعیت کے ساتھ ملنے میں سلامتی اور معاملات کی درستی ہے، تاہم کبھی کبھار ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ تمام تر اجتماعیت شکست وریخت کا شکار ہو کر منتشر ہو جائے، اور اگرچہ ایسا بہت کم ہوتا ہے، لیکن اگر ہو بھی جائے تو ان حالات کو بھی ہمارے دین نے بیان کیا ہے اور ان حالات کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث میں روایت ہے، ادریس خولانی رحمۃ اللہ علیہ سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کے متعلق پوچھتے تھے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ برائی سے خائف رہنے کے باعث برائی کے متعلق پوچھتے رہتے تھے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم جاہلیت کی برائی میں تھے تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کی یہ خیر نصیب فرمائی۔ کیا اس خیر کے بعد پھر کوئی برائی بھی آئے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! میں نے پوچھا: کیا اس برائی کے بعد پھر خیر آئے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں! اور اس میں کچھ گردوغبار بھی ہو گی" میں نے پوچھا: یہ گردوغبار کیا ہو گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ایسے لوگ آئیں گے جن کی کچھ چیزیں تو درست ہوں گی جنہیں تم بھی درست سمجھتے ہو گے اور ان کی کچھ چیزیں تمہیں غلط لگیں گی" میں نے دریافت

کیا: کیا اس بھلائی کے بعد پھر کبھی برائی آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں! ان کے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو جہنم کے دروازوں پر کھڑے ہو کر لوگوں کو جہنم کی طرف بلائیں گے، جو ان کی بات مانے گا، وہ اسے جہنم رسید کر دیں گے۔" میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہمیں ان کی نشانی بتا دیجیے! آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ ہم ہی میں سے ہوں گے اور ہماری ہی زبانیں بولتے ہوں گے۔" میں نے کہا: اگر میں نے وہ زمانہ پا لیا تو آپ مجھے کیا ہدایت دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "مسلمانوں کی جماعت اور ان کے حکمران سے جڑے رہنا" میں نے کہا: تو اگر ان کی کوئی جماعت یا کوئی حکمران ہی نہ ہو تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "تو ساری جماعتوں سے الگ ہو جانا، خواہ اس کے لیے موت تک کسی درخت کی جڑ چبا کے گزارہ کرنا پڑے!"

اس حدیث میں آنے والا حکم ہر موقع پر اور ہر مقام کے لیے ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے لے کر، کہ جب فتنہ شروع ہوا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت ہوئی تھی، تب سے لے کر زمانے کے اختتام تک۔ سب زمانوں کے لیے یہی نصیحت ہے۔

تفرقہ بازی کے زمانے میں لوگوں سے الگ ہونے کے حوالے سے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"جب لوگوں کا کوئی حکمران نہیں ہوتا اس وقت لوگ فرقوں میں بٹ جاتے ہیں۔ اس وقت کسی جماعت میں شامل ہونا درست نہیں، بلکہ ہو سکے تو سارے فرقوں سے الگ ہو جانا چاہیے تاکہ برائی سے بچا جا سکے۔ جب کوئی جماعت حق پر نظر آئے اور وہ اس پر قائم ہو تو اس میں شامل ہونا لازمی ہے، تاکہ اس کی قوت زیادہ ہو سکے اور اس کے ساتھ مل کر حق کو طاقتور بنایا جا سکے۔ اس حالت میں اس جگہ اور اس وقت وہی مسلمانوں کی جماعت ہے۔"

اللہ کے بندو! جس طرح اسلام نے نظمِ اجتماعی کے ساتھ جڑے رہنے کا حکم دیا ہے، اجتماعیت سے الگ ہونے سے روکا ہے، اسی طرح دین اسلام نے نظم اجتماعی کو اپنی ذمہ داریاں سمجھنے کی تلقین کی ہے، اور ہر حال میں شریعت اپنانے، ہر چھوٹے اور بڑے فرد کی ذمہ داری ادا کرنے، اپنے فرائض ادا کرنے اور اپنا حق مانگنے کا حکم دیا ہے۔ اگر اہل اسلام کا ایک گروہ اس مجموعی ذمہ داری کو ادا کرتا رہے، مسلمانوں کی فکر کرے اور ان کا مفاد ملحوظ رکھے اور دشمنوں سے مقابلہ کرے تو سب لوگوں کی طرف سے فریضہ ادا ہو جائے گا بصورت دیگر گناہ گار ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ جب ایک گروہ ساری جماعت کا فرض ادا کر دیتا ہے تو اس کا فائدہ سب کو ہوتا ہے اور جب سب لوگ اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہیں تو گناہ بھی سبھی کو ہوتا ہے۔

سنو! اللہ کے بندو! یقیناً تم نے جان لیا۔ تم مسلمانوں کے نظمِ اجتماعی سے جڑ جاؤ۔ اکٹھے ہو جاؤ۔ تفرقے میں نہ پڑو۔ مل جاؤ اور ناراضگیاں ختم کر دو۔ اللہ کے بندو! سب بھائی بھائی بن جاؤ۔ اس کے خلاف جانے سے چوکنے اور ہوشیار رہو، کیونکہ نظمِ اجتماعی سے الگ ہونے میں نقصان اور گھاٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان سچ ہے۔ فرمایا:

"جو شخص رسول کی مخالفت پر کمربستہ ہو اور اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے، حالانکہ اس پر راہِ راست واضح ہو چکی ہو، تو اُس کو ہم اُسی طرف چلا دیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں جھونکیں گے جو بد ترین جائے قرار ہے۔" (سورۃ نساء:115)

اللہ مجھے اور آپ کو قرآن وسنت میں برکت عطا فرمائے، اس کی آیات اور ذکر وحکمت سے فائدہ پہنچائے۔ میں نے جو کہا وہ آپ نے سن لیا۔ اگر درست کہا تو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے۔ اگر غلط کہا تو اپنے نفس اور شیطان کی وجہ سے۔ میں اللہ سے اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے ہر گناہ کی معافی مانگتا ہوں۔ تم بھی اسی سے معافی مانگو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔ یقیناً میرا رب معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

دوسرا خطبہ:

حمد وثنا کے بعد: اے مسلمانو! نظمِ اجتماعی کے ساتھ جڑنے اور اس سے الگ نہ ہونے کی نصیحت کرتے ہوئے اہل علم، دانشمندوں، پڑھنے لکھنے والوں، اخبارات اور سوشل میڈیا کے ذریعے ان میں اپنا حصہ ڈالنے والوں سے یہ بات کہنا بھی لازمی ہے کہ وہ بھی اپنے علمی اور صحافتی معاملات میں نظمِ اجتماعی کے مفاد سے الگ نہ ہوں۔ ایسے فتوے نہ دیں کہ جو ثقہ علما اور محققین کے فتووں کے خلاف ہوں۔ ضعیف اقوال سے دور رہیں، کسی عالم کے انفرادی فتویٰ کی اتباع نہ کریں اور نہ ان چیزوں پر چلیں کہ جن پر عمل امت کے ہاں متروک ہو چکا۔

جو منفرد مسائل کے پیچھے لگا رہتا ہے اور انہیں اکٹھا کرتا رہتا ہے وہ کبھی صاحب توفیق نہیں ہو سکتا بلکہ وہ بہت سا شر اکٹھا کر لیتا ہے جیسا کہ سلف صالحین نے فرمایا ہے۔ علامہ محمد بن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ان چیزوں میں اپنے ساتھیوں اور ہم عصروں کی مخالفت نہ کرو جن سے دنیا و آخرت کا کوئی معاملہ جڑا ہوا نہیں ہے۔ چاہے وہ چھوٹی سی چیز ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ ایسا کرنے سے سوائے دوسروں کی اذیت، ناپسندیدگی اور دشمنی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ایسا کرنے سے انسان اپنا ہی کوئی بڑا نقصان کر بیٹھے اور مقابل میں کچھ حاصل بھی نہ کر سکے۔"

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ علماء کے اقوال نقل کیے ہیں، مثلاً فرمایا:

"کچھ لوگوں کو دوسروں کے خلاف جانے میں عجیب لطف آنے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ یہ سمجھ

بیٹھتے ہیں کہ سب لوگوں کی مخالفت کرنا، ان کے ساتھ کسی مسئلے پر اکٹھے نہ ہونا اور ان سے محبت نہ کرنا ہی بہترین راہِ عمل ہے۔ جس کی یہ عادت ہو، وہ نہ تو حق دیکھ پاتا ہے اور نہ حق کی نصرت کر پاتا ہے، نہ اسے دین یا مذہب ہی سمجھتا ہے۔ بلکہ وہ اپنی رائے پر اکڑ جاتا ہے اور اپنے نفس کے لیے دوسروں سے انتقام لینے لگتا ہے۔"

ایک مرتبہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے استاد علامہ ربیعہ بن ابی عبد الرحمٰن رونے لگے تو ایک شخص نے ان سے پوچھا: آپ کیوں رو رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: "بے علم لوگوں سے فتویٰ پوچھا جانے لگا ہے اور دین میں بڑا خلل پیدا ہو گیا ہے۔" پھر کہا: "آج فتویٰ دینے والوں میں ایسے بھی ہیں جو چور سے بڑھ کر جیل جانے کے مستحق ہیں۔"

یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اہل علم کہتے ہیں: اگر ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ ہمارا زمانہ دیکھ لیتے تو کیا بنتا کہ آج ہمارے دور میں تو بے علم لوگ فتویٰ دینے پر جَری ہو گئے ہیں، بلکہ انہیں فتویٰ دینے کا بڑا شوق چرایا ہے، وہ بڑے تکلف کے ساتھ مسائل کا فتویٰ دینے کی کوشش کرتے ہیں، وہ جہالت اور جرات کے ساتھ ناتجربہ کار، بدنام اور بدنیت ہیں۔ وہ اہل علم کے نزدیک یا تو منکر یا پھر غریب سمجھے جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو نہ کتاب وسنت کا علم ہے اور نہ سلف صالحین کے اقوال ہی کا کچھ علم۔"

اگر علامہ ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری صدی میں اور ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے آٹھویں صدی میں یہ بات کی تھی تو آج ہمارے حال کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟!

آج تو یہ خلا مزید بڑھ گیا ہے اور ہمارے اور ان کے عہد میں فرق بہت زیادہ ہے۔ اللہ ہی ہمارا مدد گار ہے! ہم اسی کے سامنے شکایت کرتے ہیں اور اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ!

اے اللہ! ہر جگہ مسلمانوں کے احوال درست فرما! اے اللہ! ہر جگہ ضعیف اور بے بس مسلمانوں کی مدد فرما! اے ذاالجلال والاکرام! فلسطین میں تو ان کا ہو جا! فلسطین میں تو ان کا ہو جا! فلسطین میں تو ان کا ہو جا! اے اللہ! تو ان کی مدد فرما! ان کے خلاف دوسروں کی مدد نہ فرما! انہیں دوسروں پر ترجیح نصیب فرما اور دوسروں کو ان پر ترجیح نہ دے! اے اللہ! اپنے اور ان کے دشمنوں کے خلاف ان کی مدد فرما۔ آمین

"پاک ہے تیرا رب، عزت کا مالک، اُن تمام باتوں سے جو یہ لوگ بنا رہے ہیں۔ اور سلام ہے مرسلین پر اور ساری تعریف اللہ ربّ العالمین ہی کے لیے ہے۔" (سورۃ صافات: 180-182)

☆☆☆

حضرت ابو صدیق رضی اللہ عنہ

دین کا رمز آشنا صدیقؓ
مرتبہ دانِ مصطفیٰ صدیقؓ
دین میں، غار میں، امامت میں
ہے لحد میں بھی دوسرا صدیقؓ
اس نے معراج کی جو تصدیق
مصطفیؐ نے اسے کہا صدیقؓ
طوق اتارے کئی غلاموں کے
بے سہاروں کا آسرا صدیقؓ
سوف یرضیٰ کی جب نوید ملی
فرطِ رقت سے رو دیا صدیقؓ
ہر بھلائی کے کام میں پہلے
یوں ابو بکر بن گیا صدیقؓ
مصطفیؐ نے کیا جو مال طلب
گھر کا گھر لے کے آ گیا صدیقؓ
بعد از انبیاء افضل کون؟
بے خطر میں نے کہہ دیا صدیقؓ
امت مصطفیؐ کی کشتی کا
سب سے پہلا ہے ناخدا صدیقؓ
خاکِ پا اس کی کُحلِ اہلِ نظر
اہلِ دل کا ہے دل رُبا صدیقؓ
حق کسی سے ادا نہیں ہوتا
کر گیا اپنا حق ادا صدیقؓ
فتنہ جھوٹے نبی کا جب اٹھا
مثلِ کہسار ڈٹ گیا صدیقؓ
اس کے نقشِ قدم پہ چل عارف
عارفوں کا ہے پیشوا صدیقؓ

خواجہ محمد عارف برمنگھم

موصوف نے دعویٰ کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا باقی تمام صحابہ کا علم جزوی تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا علم سب سے زیادہ تھا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ انہیں علم لدنّی حاصل تھا جبکہ باقی صحابہ کا علم اکتسابی تھا۔

خلفاء ثلاثہ کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جو مناقب ثابت ہیں، ان سے کس کو انکار ہو سکتا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اسلام میں پہلے داخل ہونا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ عاطفت میں آپ کی تربیت، ان کے ساتھ آپ کی معیت اور مصاحبت اپنی جگہ پر مسلّمہ امر ہے اور یہ خصوصیات حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سبھی بدرجہ اتمّ حاصل ہیں لیکن موصوف صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے مخصوص کرنا چاہتے ہیں، دخترِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کیوں نہیں؟

خلفاء ثلاثہ کے اپنے اپنے مناقب ہیں، یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چند مناقب کا تذکرہ ہو جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «أَنَّهُ لَا يُحِبُّكَ إِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا يُبْغِضُكَ إِلَّا مُنَافِقٌ» "بے شک تم سے محبت نہیں کرتا مگر ایمان والا اور تم سے بُغض نہیں رکھتا مگر منافق۔" (جامع ترمذی: 3736)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک روایت میں یہ بھی ہے، جسے امام احمد، امام نسائی، امام ابن حبان اور امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہم نے روایت کیا ہے:

«كان يبعثه البعث فيعطيه الراية فما يرجع حتى يفتح الله عليه، جبريل عن يمنيه وميكائيل عن يساره يعني عليا، رضي الله عنه» "وہ انہیں (غزوہ) پر بھیجا کرتے تھے تو انہیں جھنڈا تھما دیتے اور پھر وہ اسی وقت واپس آتے جب اللہ انہیں فتح سے نوازتا، سیدنا جبرئیل علیہ السلام ان کے دائیں طرف اور سیدنا میکائیل علیہ السلام ان کے بائیں طرف ہوتے اور انکی مراد تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ۔" سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«من أحب عليا فقد أحبني ومن أحبني فقد أحب الله ومن أبغض عليا فقد أبغضني ومن أبغضني فقد أبغض الله» "جس نے علی رضی اللہ عنہ سے محبت کی تو اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی تو اس نے اللہ عزوجل سے محبت کی اور جس نے علی سے بغض رکھا تو اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے مجھ سے بغض رکھا تو اس نے اللہ عزوجل سے بغض رکھا۔" (المعجم الکبیر: 23/381)

حجۃ الوداع سے واپسی پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں چند ایسی شکایات سنیں جن کا تعلق دورانِ یمن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت سے تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمّ نامی چشمے پر پڑاؤ کیا اور پھر اہل قافلہ سے خطاب کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے: «من كنت مولاهُ فعليٌّ مولاه اللّٰهُمَّ والِ مَن والاه وعادِ مَن عاداه» "میں جس کا دوست ہوں تو علی اس کا دوست ہے، اے اللہ! جو اس سے دوستی رکھے تو بھی اس سے دوستی رکھ اور جو اس سے دشمنی رکھے تو تو بھی اس سے دشمنی رکھ۔"

یہ تمام مناقب اپنی جگہ پر ہیں لیکن ان سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا علم سب سے زیادہ تھا، اور یہ بات پہلے واضح کی جا چکی ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس میدان میں سب سے افضل تھے۔

باقی موصوف کا یہ کہنا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کبھی کسی صحابی سے مسئلہ نہیں پوچھا تو اس بات کی تردید کے لیے سنن ابی داؤد کی یہ ایک روایت کافی ہے:

«كُنْتُ رَجُلًا إِذَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ حَدِيثًا نَفَعَنِي اللَّهُ مِنْهُ بِمَا شَاءَ أَنْ يَنْفَعَنِي وَإِذَا حَدَّثَنِي أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِهِ اسْتَحْلَفْتُهُ فَإِذَا حَلَفَ لِي صَدَّقْتُهُ قَالَ وَحَدَّثَنِي أَبُو بَكْرٍ وَصَدَقَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَا مِنْ عَبْدٍ يُذْنِبُ ذَنْبًا فَيُحْسِنُ الطُّهُورَ ثُمَّ يَقُومُ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يَسْتَغْفِرُ اللَّهَ إِلَّا غَفَرَ اللَّهُ لَهُ» "حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب کبھی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سنتا تو اللہ جب تک چاہتا میں اس سے نفع حاصل کرتا رہتا، لیکن اگر کوئی اور شخص ان کی حدیث سناتا تو میں اس سے قسم لیتا، اگر وہ قسم اٹھا لیتا تو میں اسے مان لیتا۔ مجھے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بتایا اور وہ سچے تھے، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جب کبھی کوئی مؤمن شخص گناہ کرتا ہے اور پھر اچھے طریقے سے وضو کرتا ہے پھر کھڑا ہوتا ہے اور نماز پڑھتا ہے اور پھر اللہ سے معافی مانگتا ہے تو اللہ اسے معاف کر دیتے ہیں۔" (سنن ابو داؤد: 1521)

غرضیکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت کرنا ثابت ہے لیکن اس کا عکس ثابت نہیں ہے اور یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرنے والے سے حلف لیتے تھے کہ یہ روایت اس نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے، گویا وہ خود اس سے لاعلم تھے۔

موصوف نے اپنے مدّعا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک اور قول نقل کیا ہے: «سلوني قبل أن

تفقدوني» ”مجھ سے پوچھ لو (جو پوچھنا ہو) قبل اس کے کہ تم مجھے نہ پاؤ۔“

جواباً عرض ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات مدینہ میں نہیں کی جہاں کبار صحابہ موجود تھے بالکل اس وقت کہی، جب آپ عراق منتقل ہو چکے تھے جہاں نو مسلموں کی ایک کثیر تعداد موجود تھی جو دین سے ناواقف تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی ان کے مرجع تھے اور یہ بات اپنی جگہ ہر عالم عامۃ الناس سے کہنے میں حق بجانب ہے۔

لوگوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مسائل دریافت کیے ہیں لیکن یہ ایک قدرتی بات ہے کہ جن صحابہ نے زیادہ عمر پائی اور پھر جو علم و تعلم کا مشغلہ رکھتے تھے، ان سے لوگوں نے زیادہ استفادہ کیا، ان کا علم بھی زیادہ پھیلا۔ یہی وجہ ہے کہ گو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے علم میں کم ہیں لیکن ان سے مسائل کثرت سے پوچھے گئے اور انہوں نے بہت سے مشکل مسائل کا جواب دیا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات تاخیر سے ہوئی تو ان کی بیان کردہ روایتوں کی تعداد 2210 ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی روایات 537 ہیں جبکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی روایات کی تعداد 586 ہے۔ گویا زیادہ تفاوت نہیں لیکن اگر یہ دیکھا جائے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی وفات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بہت بعد میں ہوئی ہے تو آپ کی مرویات کچھ زیادہ ہونے میں کوئی تعجب نہیں۔

موصوف کا یہ حوالہ کہ ”اگر میرے لیے ایک فرش بچھا دیا جائے اور میں اس پر فیصلہ کرنے کے لیے بیٹھ جاؤں تو اہل تورات کے لیے توراۃ سے، اہل انجیل کے لیے انجیل سے، اہل زبور کے لیے زبور سے اور اہل قرآن کے لیے قرآن مجید سے فیصلے کر سکتا ہوں۔“

تو اس قول کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کرنا خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی توہین ہے۔ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دے دیا گیا کہ قرآن کے نزول کے بعد صرف قرآن ہی سے فیصلہ کیا جائے گا، نہ کہ کسی اور کتاب سے۔ سورۃ المائدۃ میں ارشاد فرمایا: ﴿فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّـهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ﴾ ”تو پھر ان کے درمیان فیصلہ کر اس سے جو اللہ نے نازل کیا ہے اور جو کچھ حق تیرے پاس آیا ہے اسے چھوڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کر۔“ (سورۃ المائدۃ:48)

تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ کلمات کیسے نکل سکتے ہیں۔

موصوف کا یہ کہنا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا علم لدنّی وہبی تھا اور باقی صحابہ کا اکتسابی، ایک ادّعاء بغیر دلیل ہے۔ جب موصوف خود تسلیم کر چکے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی ان کی تربیت کی تو پھر یہ فیض نبوی تھا جو انہوں نے حاصل کیا، نہ کہ علم لدنّی جو ان کے قلب پر نازل کیا گیا۔

اگر آپکو تسلیم ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ مسائل کا جواب قرآن وسنت کی روشنی میں دیا کرتے تھے تو پھر وہ باقی صحابہ سے مختلف نہ ہوئے اور اگر باقی صحابہ کا علم اکتسابی تھا تو پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان سے مختلف کیسے ہوئے؟

ہاں ایک حدیث میں ایک فضیلت یعنی محدَّث (مُلہَم) ہونے کا ذکر آیا ہے اور وہ بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے نہ کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: "أَنَّهُ كانَ في الأممِ قبلَكم محدَّثونَ فإن يَكن في أمَّتي أحدٌ فعمرُ"

”تم سے قبل امتوں میں الہام کے جاننے والے ہوتے تھے، اگر میری امت میں ان میں سے کوئی ہو سکتا ہے تو وہ عمر ہے۔“

شخصیات میں غلو ہی وہ چیز ہے جس کی بنا پر عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیا اور ہمارے انہی کرم فرماؤں نے اپنے لوگوں کو مانند حضرت علی رضی اللہ عنہ کا درجہ علم، عصمت، امامت میں رسول اللہ تک پہنچا دیا بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تو کچھ عقیدت مندوں نے انہیں خدا تک مان لیا تھا۔

پھر موصوف کا یہ کہنا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اللہ کے رسول نے اپنا وصی و وارث ٹھہرایا ہے، حوالے کے طور پر ریاض النضرۃ، فردوس الاخبار وغیرہ کتب کا جو ذکر کیا ہے جو کہ رطب ویابس کا مجموعہ ہیں اور محققین کے نزدیک ان کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔

یہاں موصوف کم از کم شاہ ولی اللہ دہلوی کی تقسیم کتب کے مطابق تیسرے درجے کی کسی کتاب کا حوالہ دے دیتے تو پھر اسکی سند پر بحث کی جا سکتی۔

اس موضوع سے قریب ترین روایت کے الفاظ یہ ہیں: « فان وصيي و وارثي يقضي ديني و ينجز وعدي علي بن أبي طالب »

”میرے وصی اور میرے وارث جو میرا قرض اتاریں گے اور میرے وعدے کو پورا کریں گے وہ علی بن ابی طالب ہوں گے۔“

اس روایت کی نسبت امام احمد کی طرف کی گئی ہے جو کہ غلط ہے اور جیسے ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الموضوعات (1/374) میں ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ اپنی چاروں اسانید کے اعتبار سے موضوع یعنی من گھڑت ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ’اللآلی المصنوعہ‘‘ (1/358) میں بھی ایسا ہی ذکر کیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ موصوف کا کوئی ایک دعویٰ بھی پایہ ثبوت تک نہیں پہنچتا۔ کسی شخصیت سے خوش عقیدگی ایک الگ بات ہے لیکن اس کی خاطر جھوٹ اور افتراء کا سہارا لینا اہل علم کے شایان شان نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک خلفاء اربعہ ایک ہی گلدستے کے پھول ہیں۔ باہم شیر و شکر ہیں، عشرہ مبشرہ بالجنہ میں داخل ہیں۔ جیسے اس دنیا میں اکٹھے تھے ویسے ہی عقبیٰ میں بھی ہوں گے اور اس باب میں ان میں سے کسی کی بھی تنقیص، چاہے وہ اشارۃً اور کنایۃً کیوں نہ ہو، ہمیں روا نہیں ہے۔

آخر میں دعا گو ہوں: اَللّٰهُمَّ أَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَهُ، وَأَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَهُ وصلى الله تعالى على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين

امریکہ کا یادگار دن اور ٹرمپ کا عبرتناک انجام

محمد عبدالہادی العمری

امریکی صدر ٹرمپ کا چار سالہ دور اقتدار 20 جنوری 2021 کو ختم ہوا اور اٹھتر (78) سالہ جوبائیڈن مسند اقتدار پر چھیالیسویں صدر کی حیثیت سے متمکن ہوئے۔ منتقلی اقتدار کا یہ دن صرف امریکہ کے لیے ہی نہیں، دنیا کے لیے کئی اعتبار سے یادگار ثابت ہوگا۔ 1869ء کے بعد تقریباً ڈیڑھ سو سالہ تاریخ میں ٹرمپ پہلے صدر ہیں جو انتقال اقتدار کی محفل میں شرکت کیے بغیر اس دن وائٹ ہاؤس کے عقبی دروازہ سے روانہ ہو گئے، جاتے ہوئے سبزہ زار پر پریس کانفرنس یا کسی تقریب سے خطاب کرنے کے بجائے میری لینڈ ہوائی اڈہ پر طیارہ میں سوار ہونے سے پہلے انہیں الوداعی سلامی دی گئی اور ناراض ٹرمپ نے وہاں اپنے مداحوں سے مختصر خطاب کیا۔ ورنہ امریکی روایات کے مطابق سبکدوش ہونے والے صدر منتخب صدر کا وائٹ ہاؤس میں استقبال کرتا ہے، خاتون اول شاہی محل کی آنے والی بیگم کو سیر کرواتی ہیں پھر تقریب حلف برداری میں شرکت کے لیے دونوں اکٹھے نمودار ہوتے ہیں، اور دنیا کو یہ پیغام دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ انتخابی مہم کی تلخیوں اور نظریاتی اختلافات کے باوجود قومی مفاد اور ملکی ترقی کے لیے ہمارے درمیان کس درجہ اتحاد ہے اور یہ جمہوری نظام کا حسن ہے جس کا نمونہ دنیا کا سب سے مضبوط جمہوری ملک پیش کرتا ہے لیکن ٹرمپ نے اس قدیم ملمع سازی سے پردہ اٹھا کر حقیقت سے دنیا کو روشناس کروایا کہ اصلیت کیا ہے کہ ﴿تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ﴾ (سورۃ الحشر:14) ٹرمپ کے رویہ سے دنیا جان لے کہ جمہوریت کیا ہے اور اس کی کشتی امریکی منجدھار میں کیسے ہچکولے کھا رہی ہے۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے اس ملمع سازی کا اندازہ بہت پہلے لگاتے ہوئے واشگاف الفاظ میں کہا تھا کہ ایک وقت آئے گا کہ جمہوریت واشنگٹن میں اور کمیونزم ماسکو میں آخری سانسیں لے رہا ہو گا اور دنیا نے یہ دونوں منظر دیکھ لیے۔

عوامی سطح پر کم از کم یہ بات مشہور تھی کہ انتخابات جمہوریت میں قابلیت کی بنیاد پر جیتے جاتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حصول اقتدار کے لیے مختلف عوامل کارفرما ہوتے ہیں، ان میں بڑی اہمیت سرمایہ کی ہے، جس مخصوص پارٹی کو مضبوط ایجنسیوں اور طاقتور سرمایہ داروں کا آشیرباد حاصل ہوتا ہے وہی بازی لے جاتا ہے، پھر حصول اقتدار کے بعد یہی سرمایہ دار مختلف حیثیتوں سے خرچ کی ہوئی رقم مع سود وصول کرتے ہیں، اسی لیے منتخب نمائندہ بہت سے اہم معاملات میں گویا ان کے رحم و کرم پر گروی رہتا ہے، دنیا کے مختلف ممالک میں اس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ بے دریغ سرمایہ کاری کرنے والوں کی مرضی کے مطابق اسے چلنا ہوتا ہے۔ ٹرمپ چونکہ اپنے مخصوص پس منظر کے سبب یاد رہے وہ روایتی سیاستدان نہیں بلکہ کاروباری آدمی ہیں، اپنی شکست کو سابقہ امیدواروں کی طرح قبول یا برداشت نہیں کر سکے۔ حالانکہ انتخابی مہم، الیکشن کمیشن اور نتائج کا اعلان وغیر وغیرہ یہ تمام کام ان کے ہی دور صدارت میں انجام پائے اور تمام کمیٹیوں اور انتظامات کا صدر ہی ذمہ دارِ اعلیٰ ہوتا ہے، ان پر اعتراض کا مطلب خود اپنے آپ پر اعتراض ہے کیونکہ اچھا یا برا آپ کی ہی نگرانی میں ہوتا رہا، لیکن اس واضح حقیقت کو ٹرمپ اور ان کے ہمنوا نظر انداز کرتے رہے۔ جیسے پاکستان کے تین بار وزیر اعظم رہنے والے نواز شریف کبھی ووٹ کو عزت دو کا عوامی نعرہ بلند کرتے نظر آئے اور کبھی عوام سے سوال کرتے دکھائی دیے کہ مجھے کیوں نکالا؟! ان عوامی نعروں کے ذریعہ انہوں نے یہ اعتراف کم از کم کر لیا کہ کوئی خفیہ طاقت ہے جو اقتدار کا فیصلہ کرتی ہے، عوام کے ووٹ یا رائے صرف نمائش یا حیلہ ہے لیکن شاید یہ نعرہ بلند کرتے ہوئے وہ بھول گئے کہ خود وہ بھی تین بار اسی کرسی پر براجمان رہ چکے ہیں۔ لہٰذا اگر خفیہ ہاتھ ہیں تو پھر وہ خود بھی ان خفیہ مہربانوں کے فیض یافتہ ہیں۔

ٹرمپ نے امریکی عوام کو رنگ و نسل کی بنیاد پر تقسیم کرتے ہوئے White Supremacist سفید فام لوگوں کی برتری کا زہر خوب گھولا، حتیٰ کہ تقریباً سات کروڑ کی بھاری تعداد نے ان کی بیشتر ناکامیوں کے باوجود ان کے ہی حق میں ووٹ دیا اور اب بھی انتخابی شکست کے باوجود ان ہی کو اپنا لیڈر تسلیم کرتی ہے، ان میں رنگ و نسل کے زہریلے جراثیم جڑ پکڑ چکے ہیں، انہیں اس سے نکالنا بڑا چیلنج ہوگا۔ ٹرمپ نے انتخابی نتائج کو قانونی طور پر چیلنج کیا، جب قانونی اداروں میں ناکامی ہوئی تو اپنی شکست تسلیم کرنے کے بجائے پایہ تخت پر ہی چڑھائی کر کے 6 جنوری 2021 کو سفید دہشت گردوں اور انتہاء پسندوں نے وہ کچھ کیا جس کے بیج عرصہ سے بوئے جا رہے تھے، اس دن جو کچھ ہوا وہ اچانک نہیں اس کا دھواں کافی دیر سے اٹھ رہا تھا بلکہ پلاننگ کے ساتھ ہوا، ورنہ یہاں سراغرسانی کے ادارے اتنے تیز اور متحرک ہیں کہ لوگوں کی نیتوں پر حرکت میں آیا کرتے ہیں اور بعض کو صرف نیتوں کے شبہ میں سزائیں دی گئیں، تو وہ سب ادارے اس منصوبہ بندی اور ہلڑ بازی سے

لاعلم کیسے رہے یا پھر وہ بھی اس روز سیاہ کا خود بھی حصہ تھے، کہ اتنی بڑی تعداد میں مختلف بینرز ہاتھوں میں اٹھائے، مخصوص رنگ اور لوگو لگے کپڑے پہنے مرکز جمہوریت 'کیپٹل ھل' پر چڑھائی کر دی اور اندر توڑ پھوڑ کرتے ہوئے دندناتے پھرتے رہے اور فورسز حرکت تک میں نہیں آئیں، استفسار پر انہوں نے قانون کا سہارہ لیتے ہوئے اپنی بے گناہی ثابت کی کہ ہم آرڈر پر حرکت کرتے ہیں، اس لیے سابق صدر کے خلاف تحقیقات کی مہم چلائی جا رہی ہے کہ اس ساری دہشت گردی کی کارروائی میں صدر سمیت کس کا کتنا حصہ ہے، کیونکہ حفاظتی عملہ کو بروقت طلب نہیں کیا گیا، کیا دوسروں کو امن وسلامتی کا درس دینے والے خود ہی دہشت گرد تو نہیں! اور ستم بالائے ستم یہ کہ اس دن خوفناک دہشت گردانہ حملہ کے بعد ٹرمپ نے ان انتہاء پسندوں کی مذمت نہیں کی، بلکہ شاندار الفاظ میں شاباشی دی اور دوسروں کو انصاف اور سچائی کا سبق دینے والے نمائندگان کی غالب اکثریت نے غلط کو غلط کہنے سے انکار کر دیا۔ ورنہ انہیں اپنے اپنے حلقہ انتخاب میں سفید فاموں کے ردعمل اور ناکامی کا خطرہ ہے۔ یہاں انصاف اور سچائی سے زیادہ کرسی کی اہمیت ہے، امریکہ کا سنجیدہ طبقہ چاہے اس کے کتنے ہی مخالف ہو، لیکن حکمران پارٹی جانتی ہے کہ ان کی سیاسی کامیابی کے لیے نفرتوں کی دیواریں ہی اہم کردار ادا کر سکتی ہیں، ورنہ انڈیا میں بھی تو تعلیم یافتہ، انصاف پسندوں کی کمی نہیں جو سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کے طویل آٹھ سو سالہ دور اقتدار میں انہیں کوئی خطرہ نہیں رہا تو اب اقلیت میں عام شہریوں کی حیثیت سے زندگی گزارنے والے مسلمانوں سے کیا خطرہ ہو سکتا ہے لیکن ہندو مسلم کا مذہبی نعرہ ہی ان کی کامیابی کا اہم زینہ ہے، اس لیے ہر وقت اس کو خوب اچھالا جاتا ہے۔

ٹرمپ کے دور اقتدار کے آخری دنوں کی کیفیت بڑی عبرتناک تھی جو کسی کو خاطر میں نہیں لاتے۔ بیانات داغتے ہوئے نہ انہیں اپنوں کی پرواہ ہوتی اور نہ ہی بیگانوں کی، وہ نہ سیاسی آداب کی پاسداری کرتے اور نہ ہی سفارتی اصولوں کی پابندی، منتخب ہوتے ہی مسلم ممالک کے خلاف شکنجہ کسنے کا اعلان کر دیا تھا، لیکن حالیہ انتخابی نتائج جس کی شاید انہیں توقع نہیں تھی کہ کبھی یہ روز سیاہ بھی دیکھنا پڑے گا جو خود کو ناقابل شکست سمجھتے تھے، انہیں ایسی رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

دنیا کی تاریخ اس قسم کی مثالوں سے بھری پڑی ہے کہ جنہوں نے خود کو ناقابل شکست اور لازوال تصور کر لیا تھا لیکن وہ بڑی بے کسی کے ساتھ لقمہ اجل بنے یا قعر مذلت میں پھینک دیے گئے۔ ماضی کے چند اوراق الٹ کر دیکھیے پاکستان کے مرد آہن ذوالفقار علی بھٹو کہا کرتے تھے:

"میری کرسی بہت مضبوط ہے" اور ان کی بیٹی بے نظیر کہا کرتی تھیں ہم عوام کے منتخب نمائندے ہیں، ہمیں کوئی طاقت ہلا نہیں سکتی، لیکن بھٹو کی مضبوط کرسی نہ ان کا اقتدار بچا سکی اور نہ ہی ان کی جان، ملک کی عدالت عالیہ کے فیصلہ کے مطابق انہیں تخت سے اتار کر تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا اور ان کی بیٹی جنہیں ناقابل تسخیر ہونے کا گمان تھا کہ عوام ان کی مٹھی میں ہیں، عوامی اجتماع میں گولیوں کا نشانہ بنا دیا گیا، بھارت کی وزیر اعظم اندرا گاندھی جنہیں فولادی خاتون کہا جاتا تھا، اپنے ہی ذاتی محافظوں کی گولیوں سے داستان عبرت بن کر رہ گئیں۔ عراقی صدر صدام حسین کو کس بے بسی کے عالم میں گرفتار کر کے بیدردی سے سولی پر لٹکا دیا گیا، لیبیا کے معمر قذافی کو موت کے گھاٹ اتار کر نعش کو جس ذلت کے ساتھ سڑکوں پر گھسیٹا گیا، مصر کے انور السادات کو خود ان کی فوج نے ہی اس اسٹیج پر جو ان کی شان وشوکت کے لیے سجایا گیا تھا، اس پر خاک وخون میں ملا دیا۔ ان کے بعد طویل عرصہ حکومت کرنے والے حسنی مبارک کو آہنی پنجرہ میں جکڑ کر جس طرح کمرہ عدالت میں لایا جاتا رہا وغیرہ وغیرہ بہت سی مثالیں ہیں جنہوں نے حکومت اس انداز سے کی کہ میرے اوپر کوئی رب نہیں اور میرے برابر کوئی لیڈر نہیں اور پھر کس عبرتناک انجام سے دوچار ہوئے۔ غرض ماضی قریب وبعید تاریخ کے ہر دور میں ایسی متعدد مثالیں ملتی ہیں کہ اقتدار کا نشہ انسان کو کس قدر مست کر دیتا ہے، اسی نشہ میں دھت لوگوں نے اپنے اپنے دور کے نیکوکاروں اور صالحین کے خلاف گھناؤنی حرکتیں کیں، مرد جلیل امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کو دمشق کے قلعہ میں بند کر دیا گیا، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو ایسے کوڑے مارے گئے کہ مست ہاتھی پر بھی مارے جاتے تو بلبلا اٹھتا، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ شل ہو گئے لیکن بغض وعداوت اور دین بیزاری کی بھڑکتی آگ کے تیز وتند شعلے ان بزرگوں کے پایہ استقلال میں جنبش تک پیدا نہ کر سکے، ان کے سینوں میں موجزن ایمانی حرارت سے نفرتوں کی آگ سرد پڑ گئی اور ان صلحاء کے فیوض وبرکات سے دنیا آج بھی مستفید ہو رہی ہے اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ ان شاء اللہ

ٹرمپ کو بھی دنیا کی بے چینی اور بدامنی کا بڑا سبب مسلمان اور مسلم ممالک ہی دکھائی دے رہے تھے لیکن جو کچھ 6 جنوری 2021 کو دنیا کی مضبوط جمہوریت کے دعویدار امریکہ میں ہوا اور جنہوں نے اس کارروائی میں حصہ لیا، ان کے لیے کونسے القاب تلاش کیے جائیں گے! جبکہ ان دہشت گردانہ کارروائیوں میں ملوث نہ کوئی مسلمان ملک تھا اور نہ ہی مسلمان فرد! یہ اصلی سفید فام امریکی عوام تھے اور ان کی پشت پناہی کرنے والے اقتدار میں شریک اعلیٰ نمائندگان!

☆☆☆

صحیح احادیث میں بہت سے ایسے مسنون اذکار اور دعائیں ہیں، جو انسان کو تکالیف، نقصان اور ہر قسم کی منفی سرگرمی سے محفوظ رکھ سکتی ہیں۔ یہ دعائیں بالعموم مختلف قسم کی تمام بیماریوں اور وبائی امراض کے لیے مؤثر ہیں۔ آئندہ سطور میں چند روایات ملاحظہ فرمائیں:

① سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص بھی کہے:« بِسْمِ اللَّهِ الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ »

”اللہ کے نام سے جس کے نام سے کوئی بھی چیز آسمان یا زمین میں تکلیف نہیں پہنچاتی اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔“

جس نے یہ دعا صبح کے وقت تین بار پڑھی تو شام تک اسے کوئی بھی ناگہانی آفت نہیں پہنچے گی۔“

(سنن ابوداود:5088)

اور جامع ترمذی کی حدیث نمبر 3388 کے الفاظ یوں ہیں کہ

”جو شخص بھی یہ کلمات روزانہ صبح و شام کے وقت کہتا ہے تو کوئی بھی چیز اسے نقصان نہیں پہنچاتی۔“

② سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور عرض گزار ہوا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! مجھے رات کو بچھو کے کاٹنے کی وجہ سے بہت زیادہ تکلیف ہوئی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تم شام کے وقت یہ دعا پڑھ لیتے:

«أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ »

”میں اللہ کے کامل کلمات کی پناہ میں آتا ہوں اس کی تمام مخلوقات کے شر سے۔“ تو تمہیں وہ نقصان نہ پہنچاتا۔(صحیح مسلم:2709)

③ سیدنا عبد اللہ بن خبیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم ایک شدید اندھیری اور بارش والی رات میں رسول اللہ ﷺ کو تلاش کرنے کے لیے نکلے کہ آپ ہمیں نماز پڑھا دیں تو ہم نے آپ کو تلاش کر لیا، آپ ﷺ نے فوراً دریافت فرمایا: ”کیا تم نے نماز پڑھ لی ہے؟“ میں نے کچھ نہ کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کہو۔“ میں کچھ نہ کہہ سکا۔ آپ ﷺ نے پھر ارشاد فرمایا: ”کہو۔“ میں نے پھر بھی کچھ نہیں کہا۔ نبی کریم ﷺ نے تیسری بار فرمایا: ”کہو۔“ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں کیا کہوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”تم صبح اور شام کے وقت کہا کرو: ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ اور اس کے ساتھ سورۃ الفلق اور سورۃ الناس تین تین بار پڑھا کرو، یہ تمہیں ہر چیز سے کافی ہو جائیں گی۔“(سنن ابوداود:5082؛جامع ترمذی:3575)

علامہ ابن باز رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”تمام مخلوقات کے ہر قسم کے شر سے تحفظ اور عافیت پانے کے ساتھ ساتھ پُرامن رہنے کے لیے انسان اللہ تعالی کے کامل کلمات کی پناہ صبح اور شام تین تین بار اللہ تعالی سے مانگے اور کہے: «أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ» ”میں اللہ کے کامل کلمات کی پناہ میں آتا ہوں اس کی تمام تر مخلوقات کے شر سے۔“

اس لیے کہ ایسی روایات ثابت ہیں جن میں ان الفاظ کو عافیت کا سبب قرار دیا گیا ہے۔

اسی طرح صبح اور شام یہ الفاظ بھی پڑھے:

«بِسْمِ اللَّهِ الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ»

اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے بتلایا ہے کہ جو شخص بھی صبح کے وقت تین بار یہ الفاظ پڑھے تو شام تک اسے کوئی بھی چیز نقصان نہیں پہنچاتی اور جو شخص شام کے وقت پڑھ لے تو صبح تک اسے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچاتی۔

قرآن و سنت سے ثابت یہ تمام اذکار ہر قسم کی برائی، شر اور تکلیف سے تحفظ کا باعث ہیں۔ اس لیے ہر مومن مرد اور عورت کو ان اذکار کی مقررہ اوقات میں پابندی کرنی چاہیے، نیز انہیں پڑھتے ہوئے اللہ تعالیٰ پر مکمل اعتماد ہو اور قلبی طور پر مطمئن ہو کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کو قائم رکھے ہوئے ہے، وہی ہر چیز کے بارے میں علم رکھتا ہے اور ہر چیز پر قادر بھی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور نہ ہی اس کے سوا کوئی پروردگار ہے۔ اسی کے ہاتھ میں نفع و نقصان کا کامل اختیار ہے اور وہی ہر چیز کا مالک ہے۔“

(فتاوی الشیخ ابن باز:3/454-455)

④ اسی طرح سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ صبح و شام ان کلمات کی پابندی فرمایا کرتے تھے:

«اَللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، اَللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي دِينِي وَدُنْيَايَ وَأَهْلِي وَمَالِي، اَللَّهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِي وَآمِنْ رَوْعَاتِي، اَللَّهُمَّ احْفَظْنِي مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ وَمِنْ خَلْفِي وَعَنْ

يَمِينِي وَعَنْ شِمَالِي وَمِنْ فَوْقِي وَأَعُوذُ بِعَظَمَتِكَ أَنْ أُغْتَالَ مِنْ تَحْتِي»

"یا اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں ہر طرح کی عافیت طلب کرتا ہوں۔ یا اللہ! میں تجھ سے اپنے دین، دنیا اور اہل خانہ سمیت اپنی املاک کے متعلق بھی معافی اور عافیت کا درخواست گار ہوں۔ یا اللہ! میرے عیب چھپا دے اور مجھے میرے خدشات و خطرات سے امن عطا فرما۔ یا اللہ! میرے آگے سے، میرے پیچھے سے، میرے دائیں جانب سے، میری بائیں جانب سے اور میرے اوپر سے میری حفاظت فرما اور میں تیری عظمت کے ذریعے سے اس بات سے پناہ چاہتا ہوں کہ میں اپنے نیچے کی طرف سے ہلاک کر دیا جاؤں۔"

(سنن ابو داؤد: 5074؛ سنن ابن ماجہ: 3871)

علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

الشیخ ابو الحسن عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ اس دعا کی شرح میں رقمطراز ہیں:

"رسول اللہ ﷺ کے فرمان«اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ الْعَافِيَةَ» کا مطلب یہ ہے کہ دینی امور میں آزمائشوں اور دنیاوی سختیوں سے سلامتی اور تحفظ کا طلب گار ہوں۔ اس کے یہ معنیٰ بھی بیان کیے گئے ہیں کہ ہر قسم کی بیماری اور وبا سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

تیسرے معنیٰ یہ بھی بتلائے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان بیماریوں میں مبتلا نہ کرے اور اگر کر بھی دے تو اس پر صبر کرنے اور اللہ کے فیصلوں پر سرِ تسلیم خم کرنے کی توفیق دے۔ لفظ" الْعَافِيَةَ " عربی زبان میں " عَافَی" کا مصدر ہے یا اسم ہے۔ اس کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے صاحب قاموس کہتے ہیں:

"**عافیت:** اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کے تحفظ کو کہتے ہیں، چنانچہ عربی جملہ"عَافَاهُ اللّٰهُ تَعَالَى مِنَ الْمَكْرُوْهِ عَفَاءً وَمُعَافَاةً وَعَافِيَةً"اس وقت کہا جاتا ہے جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو بیماریوں، آزمائشوں اور تکالیف سے بچالے۔ اس کا معنیٰ "أَعْفَاهُ" جیسے ہے۔"

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ کا مطلب ہے: یا اللہ میں تجھ سے گناہوں کی معافی اور ان سے درگزر کا مطالبہ کرتا ہوں۔

وَالْعَافِيَةَ یعنی عیوب سے پاکی۔

"فِي دِينِي وَدُنْيَايَ" یعنی دینی اور دنیاوی تمام امور میں۔"

(مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح: 8/139)

⑤ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا میں عموماً یہ الفاظ شامل ہوتے تھے کہ

« اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ ، وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ ، وَفُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ ، وَجَمِيعِ سَخَطِكَ »

"یا اللہ! میں تجھ سے تیری نعمتوں کے زوال، تیری جانب سے عافیت کے خاتمے، تیری اچانک پکڑ اور تیری ہر طرح کی ناراضی سے تیری ہی پناہ چاہتا ہوں۔" (صحیح مسلم: 2739)

علامہ مناوی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"حدیث میں مذکور« وَتَحَوُّلِ» کا مطلب یہ ہے کہ ایک چیز کسی دوسری چیز سے جدا ہو جائے، گویا کہ یہاں پر ہمیشہ کی عافیت اللہ تعالیٰ سے مانگی گئی ہے اور ہمیشہ کی عافیت کا مطلب یہ ہے کہ کبھی بیماری اور تکلیفیں نہ پہنچیں۔" (فیض القدیر: 2/140)

سنن ابو داؤد کے شارح علامہ عظیم آبادی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "حدیث میں وَتَحَوُّلِ العَافِيَة کا مطلب یہ ہے کہ صحت بیماری میں بدل جائے اور دولت غربت سے بدل جائے۔" (عون المعبود شرح سنن أبي داود: 4/283)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: «اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ الْبَرَصِ وَالْجُنُونِ وَالْجُذَامِ وَمِنْ سَيِّئْ الْأَسْقَامِ »

"اے اللہ! میں برص، پاگل پن، کوڑھ اور بری بیماریوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔"

(سنن ابو داؤد: 1554؛ سنن نسائی: 5493)

شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ طیبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ نے مطلق طور پر بیماریوں سے پناہ نہیں مانگی؛ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ کچھ بیماریوں کی تکلیف کم ہوتی ہے لیکن اس بیماری پر صبر کی بدولت ملنے والا اجر بہت زیادہ ہوتا ہے اور وہ بیماریاں دائمی بھی نہیں ہوتیں، بلکہ عارضی ہوتی ہیں، جیسے کہ بخار، سر درد، اور آنکھ درد وغیرہ۔ اس لیے آپ ﷺ نے دائمی بیماریوں سے پناہ مانگی ہے کیونکہ انسان دائمی بیماری سے خود بھی تنگ آ جاتا ہے اور دوست احباب بھی متنفر سے ہو جاتے ہیں۔ لوگ بات چیت اور علاج معالجے کے لیے بھی نہیں آتے اور انسان خود اپنے آپ سے بیزار ہو جاتا ہے۔"

(علامہ طیبی کی گفتگو عظیم آبادی رحمہ اللہ نے سنن ابو داؤد کی شرح 'عون المعبود' میں ذکر کی ہے)

(الاسلام؛ سوال و جواب، سوال: 139554)

☆☆☆

عام قارئین کرام کے لیے شاید یہ عنوان دلچسپی نہ رکھتا ہو مگر ممکن ہے نوجوان نسل کے لیے یہ عنوان پر کشش اور دلچسپ ہو۔ انھیں یہ جان کر خوشی ہو کہ ہمارے پیغمبر ﷺ اس میدان میں بھی ہمارے مکمل راہ نما ہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ آپ ﷺ کو جس فیلڈ میں دیکھا کامل و اکمل پایا۔ اسی لیے تو ہم کہتے ہیں کہ "راہنمائے کامل ﷺ" صرف آپ ہی ہیں۔

ایک جائزہ لیا جائے تو نبی ﷺ کی اس حیثیت کو پس پشت ڈال کر آج امت عمومی طور پر اور علمائے امت خصوصی طور پر بڑے بے ڈھبے، بیماریوں کے شکار اور اضافی وزن لیے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امت کے ہر فرد کے سامنے آپ ﷺ کی اس حیثیت کو رکھنا بھی وقت کا تقاضا ہے۔ امت کے علماء جو عوام کے سامنے نبی کریم ﷺ کی اس صفت کا اظہار کرتے ہیں کہ آپ ﷺ دوسروں کے بوجھ اٹھایا کرتے تھے، ان صلحا کی اکثریت خود اپنا وزن اٹھانے سے بھی قاصر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اس حوالے سے آپ ﷺ کے فرمودات عالیہ کو اپنانے کی کوشش نہیں کرتے۔ آیئے! سیرت مبارکہ کے اس پہلو کا مطالعہ کرتے ہیں۔

فطرت انسانی اور کھیل کود

فطرتِ انسانی کھیل کود، بھاگ دوڑ، جسمانی ورزش، سیر و سیاحت اور اس قسم کے مختلف مشاغل کا تقاضا کرتی ہے۔ انسانیت کی معلوم تاریخ، تہذیب اور ثقافت میں سپورٹس کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور نظر آتا ہے، مثلاً سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے انھیں اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت اپنے والد گرامی سیدنا یعقوب علیہ السلام سے ان الفاظ سے مانگی:

﴿أَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ "اسے ہمارے ساتھ بھیج دیں تاکہ یہ کھائے پیے اور کھیلے کودے اور بے شک ہم اس کی حفاظت کریں گے۔" (سورۃ یوسف:12)

اور بعد میں کہنے لگے: ﴿يَا أَبَانَا إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِندَ مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ الذِّئْبُ﴾ "اے ہمارے ابا جان! ہم گئے (اور) آپس میں دوڑ کا مقابلہ کرنے لگے اور ہم نے یوسف (علیہ السلام) کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا تو اسے بھیڑیا کھا گیا ہے۔" (سورۃ یوسف:17)

اسی طرح فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ مقابلے کے لیے کوئی وقت مقرر کر لیں اور جگہ بھی مناسب ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا:

﴿مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّينَةِ وَأَن يُحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى﴾ "زینت (جشن) کے دن کا وعدہ ہے اور یہ کہ لوگ دن چڑھے ہی جمع ہو جائیں۔" (سورۃ طٰہٰ: 59)

ان آیات سے واضح ہے کہ کھیل کود، دوڑ کے مقابلے اور جشن کے دن قدیم دور سے چلے آ رہے ہیں۔ اولمپکس کھیلوں کا آغاز بھی 700 قبل مسیح بتایا جاتا ہے۔ اور یہ 400 قبل مسیح تک جاری رہیں اور بعد ازاں 18 ویں صدی میں ان کا دوبارہ آغاز ہوا۔ یاد رہے اولمپکس یونانیوں کے دیوی اور دیوتاؤں کے نام سے منسوب ہے مگر اولمپکس گیمز میں حصہ لینے والوں کو یہ طعنہ نہیں ملتا کہ یہ دقیانوسیت ہے، جبکہ نبی کریم ﷺ کی سیرت پر عمل کرنے والوں کو یہ باقاعدہ طعنہ ملتا ہے کہ پرانی باتیں، دقیانوسیت اور پتھر کے دور کے ضابطے... وغیرہ وغیرہ، بہرکیف وقت کے ساتھ ساتھ سپورٹس میں ترقی بھی ہوتی رہی۔ ان کی شکلیں بھی بدلتی رہیں۔ بعض پرانی کھیلیں ناپید ہو گئیں اور ان کی جگہ نئی کھیلوں نے لے لی۔ بعض کھیلیں علاقائی سطح تک محدود رہیں جبکہ بعض کھیلیں عالمی سطح تک پھیل گئیں اور عالمی سطح پر ان کے مقابلے ہونے لگے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہادی عالم ﷺ نے اس بارے میں کوئی راہ نمائی نہیں کی؟ اور آپ ﷺ نے امتیوں کو سپورٹس کے سلسلے میں ویسے ہی چھوڑ دیا ہے؟ نہیں ہر گز ایسا نہیں ہے۔

نبی ﷺ کی سپورٹس سے متعلقہ راہ نمائیاں

فرمان نبوی ﷺ ہے: «اَلْـمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللهِ مِنَ الْـمُؤْمِنِ الضَّعِيْفِ وَفِي كُلٍّ خَيْرٌ» "طاقتور مومن کمزور مومن سے زیادہ بہتر ہے، جبکہ دونوں بھلائی پر ہیں۔" (صحیح مسلم: 2664)

اس فرمان میں نبی ﷺ نے امتیوں کو ابھارا ہے کہ وہ جسمانی سرگرمیوں میں حصہ لیں تبھی وہ طاقتور اور قوی ہو سکتے ہیں۔ آپ ﷺ کا یہ ارشاد عالی محض خبر نہیں کہ طاقتور مومن بہتر ہے بلکہ اس میں مومنوں کو ابھارا گیا ہے کہ وہ ایسے ذرائع اختیار کریں جس سے وہ قوی ہوں۔ اور اس سلسلے میں آپ ﷺ نے حفظانِ صحت کے اصول بھی بتائے جو طب نبوی کے عنوان کے تحت آتے ہیں۔ وہ زادالمعاد از امام ابن القیم رحمہ اللہ میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ جس کا اُردو ترجمہ طب نبوی کے نام سے موجود ہے۔ آپ ﷺ نے جسمانی مشقوں کی طرف راہ نمائی بھی فرمائی۔ اس موضوع پر تحقیقی کام نہ ہونے کے برابر ہے خصوصاً اُردو میں۔

عہد نبوت کے کھیل اور جسمانی سرگرمیاں

نبی کریم ﷺ نے اپنے عہد مبارک میں جن کھیلوں کا اہتمام کیا، ہم ان کھیلوں کا اور ان سے حاصل ہونے والے فوائد کا تذکرہ کرتے ہیں:

1۔ گھڑ دوڑ (Riding)

نبی ﷺ کی گھڑ دوڑ میں مہارت: نبی کریم ﷺ خود بھی بڑے اچھے انداز سے گھڑ سواری کر لیتے تھے۔ ایک رات مدینہ منورہ کی ایک جانب شور سا بلند ہوا۔ نبی کریم ﷺ نے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا گھوڑا لیا اور خوب بھگایا۔ لوگ بھی آپ ﷺ کے بعد اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر جا رہے تھے۔ اس دوران نبی کریم ﷺ مطلوبہ ہدف سے ہو کر بھی آ گئے تھے اور فرمانے لگے: "گھبراؤ نہیں۔" اور گھوڑے کے متعلق فرمایا: "یہ گھوڑا تو ہمیں (تیز رفتاری میں) سمندر کی طرح لگ رہا تھا۔" (صحیح بخاری: 2757)

جنگ حنین کے موقع پر میدان کارزار میں آپ ﷺ اپنے سفید خچر پر سوار تھے۔ (صحیح بخاری: 2864)

گھڑ دوڑ کے مقابلے: اسی طرح آپ ﷺ گھڑ دوڑ کے مقابلے بھی کرواتے تھے۔ تضمیر شدہ گھوڑوں کا علیحدہ اور غیر تضمیر شدہ گھوڑوں کا علیحدہ۔ تضمیر شدہ گھوڑے وہ ہوتے ہیں جنھیں پہلے خوب خوراک دے کر موٹا تازہ کیا جاتا ہے، پھر خوراک کو مسلسل کم کیا جاتا ہے۔ اس دوران انھیں کمرے میں یا کپڑوں کے ذریعے گرمائش مہیا کی جاتی ہے جس سے ان میں قوت برداشت بڑھ جاتی ہے، پھر انھیں خوب بھگایا جاتا ہے۔ جب آپ ﷺ نے تضمیر شدہ گھوڑوں کا مقابلہ کرانا تھا تو آپ ﷺ نے ان کی حفیاء سے ثنیۃ الوداع تک دوڑ لگوائی (یہ فاصلہ تقریباً چھ میل تھا) اور جن گھوڑوں کی تضمیر نہیں ہوئی تھی ان کی دوڑ ثنیہ سے مسجد بنی زریق تک لگوائی یہ فاصلہ کم و بیش ایک میل کا تھا۔ (صحیح بخاری: 2870)

اور گھڑ دوڑ کا یہ مقابلہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جیت گئے تھے۔ (صحیح بخاری: 2869؛ سنن ابو داؤد: 2575)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اگر اتباع سنت میں ضرب المثل تھے تو جسمانی طور پر بھی بڑے چست تھے تبھی تو وہ اس گھڑ دوڑ میں سب سے سبقت لے گئے۔

دوڑ لگوانے والے رسولِ کائنات ﷺ اور شرکائے مقابلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم!!

عمومی طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ گھڑ دوڑ میں سارا زور گھوڑے کا لگتا ہے مگر عمدہ گھوڑا ایک بہترین چست و چالاک اور پھریرے بدن کے شہسوار کا متقاضی ہوتا ہے۔ گھوڑا اپنی نزاکت اور طبعی نفاست سے اپنے اوپر سواری کرنے والے کی مہارت اور عدم مہارت کو پہچان لیتا ہے۔ اور جسمانی طاقت اور ہوشیاری کے بغیر گھڑ سواری کرنا ناممکنات میں سے ہے۔ جو شخص اس صلاحیت سے محروم ہو تو اس کے لیے گھوڑے پر بیٹھنا ہی مشکل ہوتا ہے چہ جائیکہ وہ ایک اچھا شہسوار بن سکے۔ الغرض! گھڑ سواری کے لیے گھڑ سوار کو بھی چاق چوبند رہنا اور اپنے آپ کو فٹ رکھنا پڑتا ہے۔ اس دور میں رائڈنگ کلب یا ریس کورس میں اس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ بڑی کالونیوں میں اس کا باقاعدہ اہتمام کیا جاتا ہے۔ اور بڑے عمدہ اور قیمتی گھوڑے رکھے جاتے ہیں۔ یہ دیکھ کر نبی کریم ﷺ کی پیش گوئی پوری ہوتی نظر آتی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «الْخَيْلُ مَعْقُودٌ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ» "گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک کے لیے خیر و برکت رکھ دی گئی ہے۔" (صحیح بخاری: 2852)

زبانِ نبوت پر گھوڑوں کی اقسام کا تذکرہ: زبانِ نبوت سے گھوڑوں کی کچھ اقسام اور اصطلاحیں جاری ہوئیں جو یہ ہیں:

1۔ **كُمَيْتٌ:** سرخی مائل سیاہ گھوڑا۔ (سنن ابو داؤد: 2543)

2۔ **أَدْهَمُ:** سیاہ گھوڑا۔ (سنن ابو داؤد: 2543)

3۔ **أَغَرّ:** سیاہ گھوڑا مگر پیشانی سفید۔ (سنن ابو داؤد: 2543)

4۔ **مُطْلَقُ الْيُمْنٰى:** تین یا چار ٹانگیں سفید ہوں اور اس کے علاوہ جسم پر سفیدی نہ ہوں۔ (السلسلۃ الصحیحۃ، حدیث: 3449)

5۔ **أَرْثَمُ:** جس گھوڑے کی ناک پر یا اوپر والے ہونٹ پر سفید نشان ہو۔ (سنن البیہقی: 3306/6)

6۔ **أَشْقَرُ:** سرخی مائل سفید گھوڑا۔ (سنن ابو داؤد: 2543)

گھوڑوں کے متعلق معلومات سے آپ ﷺ کو خصوصی دلچسپی تھی۔ حتی کہ بعض اوقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گھوڑا خریدتے وقت پوچھتے کہ کون سا گھوڑا خریدیں۔ سیدنا ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے ہمیں یہ معلومات فراہم کیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ علیہ السلام سے عرض کی: میں گھوڑا خریدنا چاہتا ہوں تو میں کس قسم کا گھوڑا خریدوں؟ فرمایا: «إِذَا أَرَدْتَّ أَنْ تَغْزُوَ اشْتَرِ فَرَسًا أَدْهَمَ، أَغَرَّ، مُحَجَّلًا، مُطْلَقَ الْيُمْنٰى فَإِنَّكَ تَغْنَمُ وَتَسْلَمُ» "جب تم نے جنگ کے لیے گھوڑا خریدنا ہو تو سیاہ فام مگر سفید پیشانی والا، اور وہ جس کی چاروں ٹانگیں سفید ہوں اس کے علاوہ سفیدی نہ ہو تمھیں غنیمت بھی حاصل ہو گی اور محفوظ بھی رہو گے۔" (السلسلۃ الصحیحۃ: 3449)

نبی ﷺ کی بہت زیادہ مصروفیات اور ذمہ داریاں تھیں۔ اس کے باوجود گھڑ دوڑ کا یہ اہتمام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شرکت۔ اور گھوڑوں کی دیکھ بھال کے مختلف انداز اور گھوڑوں کی قسموں اور رنگوں کے بارے میں آپ ﷺ کی معلومات بتاتی ہیں کہ آپ ان کاموں کو بھی اہمیت دیتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے خود بھی گھوڑا رکھا ہوا تھا۔ سیدنا سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہماری حویلی میں آپ ﷺ کا ایک گھوڑا تھا جسے لُحَیف کہا جاتا تھا۔ (صحیح بخاری: 2855)

2۔ کشتی (Wrestling)

رکانہ بن زید مشہور پہلوان تھا اور وہ کشتی میں کسی سے ہارتا نہیں تھا۔ اس نے قبول اسلام کے لیے اپنے پچھاڑے جانے کی شرط لگا دی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا چیلنج قبول کیا اور اسے پچھاڑ دیا۔ اور کئی بار اسے ہرایا اس کے نتیجے میں وہ ایمان لے آئے۔ (تہذیب الکمال:6/225؛ صحیح السیرۃ النبویۃ للألبانی:1/217)

سیدنا سمرہ بن جندب ؓ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ ﷺ انصاری نوجوانوں کا جائزہ لے رہے تھے کہ ان میں سے جو جوان ہو چکے ہیں انھیں جہاد کے لیے روانہ فرمائیں۔ اس دوران آپ ﷺ کے پاس ایک نوجوان گزرا تو آپ نے اسے لشکر میں شامل کر لیا۔ اس کے بعد سمرہ ؓ کو پیش کیا گیا مگر آپ ﷺ نے انھیں واپس بھیج دیا۔ سمرہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! آپ نے اس نوجوان کو اجازت دے دی ہے اور مجھے واپس کر دیا ہے۔ اگر وہ مجھ سے کشتی کرے تو میں اسے ہرا دوں گا۔ فرمایا: ”تو چلو پھر اس سے کشتی کرو۔“ سمرہ ؓ کہتے ہیں: میں نے اسے کشتی میں ہرا دیا تو آپ ﷺ نے مجھے بھی جہاد میں شرکت کی اجازت دے دی۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی:10/31؛ المعجم الکبیر:7/211)

ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کشتی کے فن سے آشنا تھے اور ایسی جسمانی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہتے تھے۔ کشتی کرنا (Wrestling) کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لیے اچھی خاصی طاقت اور مہارت درکار ہوتی ہے۔ اور مسلسل مشق کے بغیر اس میں حصہ نہیں لیا جا سکتا۔

3۔ اونٹ دوڑ (Camel Race)

سیدنا انس ؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی ’عضباء‘ نامی اونٹنی تھی۔ وہ کبھی مقابلے میں پیچھے نہیں رہتی تھی۔ ایک دفعہ ایک اعرابی جوان اونٹ لایا تو وہ عضباء اونٹنی سے آگے نکل گیا۔ صحابہ کرام پر یہ بات گراں گزری، بالکل ایسے ہی جیسے یہ پڑھ کر ہم پر گراں گزر رہی ہے۔ بہر کیف نبی کریم ﷺ یہ بات سمجھ گئے کہ مسلمانوں پر میری اونٹنی کا پیچھے رہ جانا شوار گزرا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: «حَقٌّ عَلَى اللهِ أَنْ لَّا يَرْتَفِعَ شَيْءٌ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا وَضَعَهُ» ”اللہ کا حق ہے کہ جو بھی چیز اس دنیا میں عروج حاصل کرتی ہے اللہ ضرور اسے نیچا کرتا ہے۔“ (صحیح بخاری:2872)

اس حدیث میں اشارہ موجود ہے کہ آپ ﷺ کی اونٹنی کے کئی مقابلے ہو چکے تھے۔ اسی لیے تو کہا گیا کہ ”وہ کبھی مقابلے میں پیچھے نہیں رہتی تھی۔“ دراصل یہ عہد نبوت میں سپورٹس تھیں۔ ظاہر ہے آپ ﷺ کی اونٹنی کو آپ کی اجازت ہی سے مقابلے میں لایا جاتا ہو گا۔ پھر آپ کو اس مقابلے کے نتائج کی اطلاع بھی دی جاتی ہو گی اور کبھی آپ ﷺ خود بھی شریک ہوتے ہوں گے۔ اس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ کے قانون ”ہر عروج کو زوال ہے“ کو بیان کر کے ہمیں تعلیم دی ہے کہ ہم اپنی کسی طاقت وصلاحیت پر ناز نہ کریں بلکہ یہ جان لیں کہ اگر آج عروج ہے تو زوال بھی ہو گا۔ لازوال محض ایک ہی ذات ہے۔

اس حدیث میں قابل غور بات یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے اسی دوڑ کے موقع پر یہ بات سمجھا دی۔ اور بتا دیا کہ سپورٹس دین کے تحت ہیں۔ کوئی ایسا لباس، کوئی ایسی صورت، یا کوئی ایسا کھیل جس کی اسلام اجازت ہی نہیں دیتا، وہ مسلم معاشرے میں کیونکر کھیلا جا سکتا ہے...؟

عورتوں کی اونٹ سواری کے متعلق فرمان نبوی ہے: «خَيْرُ النِّسَاءِ نِسَاءُ قُرَيْشٍ، رَكِبْنَ الْإِبِلَ...» ”قریش کی عورتیں بہترین عورتیں ہیں جو اونٹ پر سواری کر لیتی ہیں...“ (صحیح مسلم: 2527)

یاد رہے! اونٹ اس وقت بطور سواری استعمال ہوتا تھا، لہٰذا شرعی حدود میں رہ کر خواتین کا ڈرائیونگ میں ماہر ہونا ایک مستحب امر ہے۔

4۔ پیدل دوڑ

نبی کریم ﷺ پیدل دوڑ بھی لگا لیا کرتے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے آپ کو جسمانی لحاظ سے فٹ رکھا ہوا تھا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی عنایت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ آپ ﷺ نے ام المومنین سیدہ عائشہ ؓ سے دو دفعہ دوڑ لگائی۔ دوڑ کے ان دو واقعات کا درمیانی وقفہ چند سالوں پر محیط تھا کیونکہ سیدہ عائشہ ؓ اس حدیث میں وضاحت کرتی ہیں... ”پھر جب میرا جسم بھاری ہو گیا۔“ اس کا مطلب ہے کہ جسم کو بھاری ہونے سے چند سال تو لگے ہی ہوں گے۔ اس وقت عائشہ ؓ کی عمر کم و بیش 12 سے 17 سال کے درمیان ہو گی اور آپ ﷺ کی عمر مبارک 55 سے 62 سال کے درمیان۔ اتنی عمر میں دوڑ لگانا جسمانی صحت کی عمدہ دلیل ہے۔ اب آیئے اس موضوع کی حدیث پڑھتے ہیں:

ام المومنین سیدہ عائشہ ؓ نبی کریم ﷺ کے ساتھ کسی سفر میں تھیں۔ فرماتی ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ سے دوڑ لگائی تو میں آپ ﷺ سے آگے گزر گئی۔ پھر جب میرا جسم بھاری ہو گیا میں نے پھر آپ ﷺ سے دوڑ لگائی تو آپ مجھ سے آگے نکل گئے۔ اس دوران آپ ﷺ نے فرمایا: «هٰذِهِ بِتِلْكَ» ”یہ اس پہلے مقابلے کا بدلہ ہے۔“ (سنن ابو داود:2578)

یاد رہے! کہ آپ ﷺ نے جب سیدہ عائشہ ؓ سے دوڑ لگائی۔ آپ سفر پر تھے آپ نے شرکائے قافلہ سے کہا کہ وہ سب آگے نکل جائیں۔ اور دونوں دفعہ ایسا ہی فرمایا۔ (مسند أحمد:6/264) نبی ﷺ اور سیدہ عائشہ ؓ کی دوڑ کو کوئی تیسرا شخص دیکھنے والا نہیں تھا۔ اس لیے اس حدیث کی راویہ

بھی وہ خود ہی ہیں۔ اس میں کس قدر واضح دلیل ہے کہ خواتین جسمانی سرگرمیوں میں حصہ ضرور لیں مگر کسی اوٹ کے پیچھے اور پردے کے اہتمام کے ساتھ۔

مگر ہمارے اسلامی معاشرے کی مغربی تہذیب کی دلدادہ خواتین اور لڑکیاں اپنی جسمانی سرگرمیوں اور حسن کو میڈیا پر لانے میں ذرا ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتیں... کیا انھیں جنت میں ایسی بلند پایہ خواتین کا ساتھ درکار نہیں ہے؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی دوڑ بہت تیز تھی۔ وہ دوڑتے ہوئے سواروں سے آگے گزر جاتے تھے۔ اور ماہر تیر انداز بھی تھے۔ ایک دفعہ بنو غطفان نے رسول اللہ ﷺ کے اونٹ چُرا لیے تو یہ اکیلے پیدل ہی ان کے تعاقب میں نکلے اور اس معرکے کو سر کیا۔ یہ معرکہ غزوۂ ذی قرد کے نام سے معروف ہے۔ اس کی تفصیل صاحبِ واقعہ سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ یوں بیان کرتے ہیں: میں فجر کی اذان سے پہلے نکلا۔ اس وقت آپ ﷺ کی اونٹنیاں ذی قرد میں چر رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد مجھ سے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے غلام ملے۔ اور کہنے لگے: رسول اللہ ﷺ کی اونٹنیاں چوری ہو گئی ہیں۔ میں نے کہا: کس نے چرائی ہیں؟ انھوں نے بتایا کہ غطفان نے۔ سیدنا سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے تین بار زور دار آواز سے 'یاصباحاہ' پکارا۔ پھر میں غطفان کے تعاقب میں چل نکلا اور میں نے ذی قرد میں انھیں جا لیا۔ وہ وہاں پانی پینے ہی لگے تھے۔ میں تیر انداز بھی تھا۔ میں نے ان پر تیر برسانے شروع کر دیے۔ اور میں یہ رجزیہ اشعار پڑھ رہا تھا:

أَنَا ابْنُ الْأَكْوَعِ وَالْيَوْمُ يَوْمُ الرُّضَّعِ

''میں اکوع کا سپوت ہوں۔ آج پتہ چل جائے گا کس نے ماں کا دودھ پیا ہے۔''

بعد ازاں میں نے وہ اونٹنیاں اُن سے چھڑوائیں اور ان سے تیس چادریں بھی چھینیں، پھر واپس آیا۔ آپ ﷺ کو روداد سنائی... پھر جب مدینہ داخل ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی مبارک اونٹنی پر اپنے پیچھے مجھے سوار کیا ہوا تھا۔ (صحیح مسلم: 1806، 1807)

5۔ پیدل چلنا (Walking)

رسول اللہ ﷺ کی پیدل چلنے کی رفتار بھی قدرے تیز ہوا کرتی تھی جو بجائے خود ایک عمدہ ورزش ہے، خاص کر جب وقار اور تیزی سے چلا جائے۔ حدیث میں آتا ہے: ''رسول اللہ ﷺ ایسے چلتے تھے جیسے ڈھلان سے اُتر رہے ہوں۔'' (السلسلۃ الصحیحۃ: 5/120)

اور آپ ﷺ عید گاہ بھی پیدل تشریف لے جاتے، اسی طرح میت کے ساتھ پیدل چلتے اور صحابہ کو مسجد کی طرف چل کر آنے کی ترغیب بھی دیتے۔ آپ ﷺ کے سفر طائف کی بہت سی تفصیلات تو موجود ہیں مگر سواری کا تذکرہ نہیں ملتا، اسی طرح راہِ ہجرت میں بہت سا سفر پیدل طے فرمایا۔ الغرض! تعلیمات نبویہ میں پیدل چلنے کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ جدید تحقیق میں چہل قدمی (Walk) کو جسمانی صحت میں بڑی اہمیت کا حامل قرار دیا گیا۔ اور ڈاکٹر اس کی بڑی تاکید کرتے ہیں۔ صحت مند رہنے کے لیے اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔

6۔ نشانہ بازی

سیدنا عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، جبکہ آپ ﷺ منبر پر جلوہ افروز تھے، فرما رہے تھے: ''اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ﴾ ''اور ان (دشمنوں) کے لیے تم مقدور بھر قوت تیار رکھو۔'' (سورۃ الانفال: 60) متنبہ ہو جاؤ! (یہاں) قوت سے مراد 'رمی' ہے۔'' یہ آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا۔ (صحیح مسلم: 1917)

''رمی'' کے معنی عربی زبان میں پھینکنے کے ہیں۔ اور جو بھی چیز دشمن کی طرف پھینکی جائے، خواہ وہ تیر ہو، گولی ہو، گولہ ہو، میزائل ہو وہ اس میں آجاتی ہیں۔ اور پھینکنے کے لیے قوت اور نشانے کا ہونا ضروری ہے۔ بڑی قوت سے کوئی چیز پھینکی جائے مگر ہدف تک نہ پہنچے تو بھی بے مقصد اور اگر ہدف تک پہنچ جائے مگر اس میں زور اور رفتار نہ ہو تو بھی بے مقصد۔ غرضیکہ ایسی ساری سرگرمیاں جسم کو چست رکھنے کے لیے تھیں۔ نشانہ بازی آج بھی ہماری سپورٹس اور خصوصاً عسکری تربیت کا اہم حصہ ہے۔ قدیم دور میں زیادہ تر تیر اندازی ''پھینکنے'' کے مفہوم میں آتی تھی۔ اس وجہ سے ''رمی'' کے معنی تیر اندازی کے بھی ہیں۔

7۔ تیر اندازی

نبی کریم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین تیر اندازی کے مقابلے کرواتے تھے اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ اسلم قبیلے کے چند افراد کے پاس سے گزرے۔ وہ آپس میں تیر اندازی کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «إِرْمُوا بَنِي إِسْمَاعِيلَ فَإِنَّ أَبَاكُمْ كَانَ رَامِيًا، اِرْمُوا فَأَنَا مَعَ بَنِي فُلَانٍ» ''اسماعیل علیہ السلام کے فرزندو! تیر اندازی کیا کرو۔ تمھارے باپ اسماعیل علیہ السلام بھی تیر انداز تھے۔ تم تیر اندازی کرو اور میں فلاں قبیلے کی ٹیم کی طرف ہوں۔''

مدمقابل ٹیم نے تیر پھینکنے ہی روک دیے۔ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: «مَالَكُمْ لَا تَرْمُونَ» ''تمھیں کیا ہوا ہے کہ تم تیر نہیں چلا رہے؟'' وہ کہنے لگے: ہم کیسے تیر چلائیں، جبکہ آپ ان کے ساتھ ہیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: «إِرْمُوا فَأَنَا مَعَكُمْ كُلِّكُمْ» ''تم تیر اندازی کرو! میں تم سب کے ساتھ ہوں۔''

8۔ اپنی اہلیہ کے ساتھ کھیل کود

نبی کریم ﷺ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی دوڑ کے بارے میں حدیث گزر چکی ہے۔ ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فضول کھیلوں اور اللہ کے ذکر سے غفلت کے جرم سے مستثنیٰ قرار دیا ہے کہ آدمی اپنی اہلیہ کے ساتھ کھیل کود کرے۔ (السلسلة الصحيحة: 315)

بعض لوگ بڑے اچھے سپورٹس مین ہوتے ہیں مگر اپنی اہلیہ یا گھر والوں سے سنجیدہ سنجیدہ، کھچے کھچے، بجھے بجھے اور غصے غصے رہتے ہیں۔ گھر والوں کے ساتھ کھیل کود مستحب اقدام ہے۔ اس سے ان کی صحت پر اور خود اپنی صحت پر بھی اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ» ”تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ بہتر ہے۔“ (سنن ابن ماجہ:1977)

یعنی کسی کا اعلیٰ اخلاق دیکھنا ہے تو گھر میں دیکھا جائے۔ باہر تو اچھا نظر آنے کے لیے لوگ بناوٹی اخلاق بھی اختیار کر لیتے ہیں۔

9۔ تیراکی (Swimming)

سابقہ ہیڈنگ میں جس حدیث کی طرف اشارہ ہے، اس میں ”تیراکی“ کو بھی نبی ﷺ نے ممنوع کھیلوں سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ اور امت کو شوق دلایا ہے کہ وہ تیراکی سیکھیں۔ نبی ﷺ نے تیراکی کا ذکر فرمایا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اس سے آگاہ تھے اور یہ ان کے ہاں رائج تھی۔ اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تیراکی بھی ذکر اللہ سے غفلت کے زمرے میں نہیں آتی۔ تیراکی میں انسان کو جس قوت اور سٹیمنے کی ضرورت ہے وہ سب پر واضح ہے۔

10۔ نیزہ بازی

عید کا موقع تھا۔ مسجد نبوی میں اہل حبشہ اپنے نیزوں کے ساتھ کرتب دکھا رہے تھے۔ نبی کریم ﷺ حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا کے دروازے پر کھڑے ان کی سرگرمیاں دیکھ رہے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: یا تو میں نے عرض کی یا آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم یہ دیکھنے کا شوق رکھتی ہو؟ میں نے عرض کی: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کر لیا اور اپنی چادر مبارک سے مجھے اوٹ میں لے لیا۔ (میں پیچھے اسطرح کھڑی تھی کہ) میرا رخسار آپ ﷺ کے رخسار پر تھا۔ آپ ﷺ فرما رہے تھے: «دُونَكُمْ يَا بَنِي أَرْفِدَةَ» ”بنوارفدہ! لگے رہو!“ پھر جب میں تھک گئی تو آپ ﷺ پوچھنے لگے: ”بس!!“ میں نے عرض کی: جی ہاں! فرمایا: تو تم چلی جاؤ۔“ (صحیح بخاری:950،454)

نبی کریم ﷺ کی اس موقع پر موجودگی بلکہ مشاہدہ اور اپنی اہلیہ محترمہ کو مشاہدہ کرانا عید کے موقع پر ایک اچھی انٹرٹینمنٹ تھی۔ آپ ﷺ ان امور کو بھی وقت دیا کرتے تھے۔ یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنے ذاتی جذبات کی بنا پر ایسی سرگرمیوں کو جائز نہ سمجھتا ہو جیسا کہ مسجد نبوی میں حبشیوں کے اس کھیل کے دوران سیدنا عمر رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے تو انھوں نے زمین سے کچھ کنکریاں لے کر ان کی طرف پھینکیں اور انھیں روکنا چاہا۔ آپ ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ انھیں کچھ نہ کہو۔ اور حبشیوں سے فرمایا: «أَمْنًا بَنِي أَرْفِدَةَ» ”بلاخوف و خطر جاری رکھو اے بنی ارفدہ“ (صحیح بخاری:944)

اس قدر اہم ذمہ داریوں اور مصروفیات کے باوجود جسمانی سرگرمیوں میں حصہ لینا اور وقت کے رائج جائز کھیلوں کو وقت دینا بتاتا ہے کہ آپ ﷺ راہنمائے کامل ﷺ ہیں۔

صفائی ستھرائی کا اہتمام

ان سب جسمانی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ نظافت اور صفائی کا خیال رکھنے کی بھی ترغیب دی گئی ہے۔ صفائی کو ایمان کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔ (مسند احمد:5/344)

مسواک کے ذریعے دانتوں کی صفائی کی بہت زیادہ ترغیب دی گئی ہے۔ پھر ہر نماز کے لیے وضو کا حکم ہے۔ یہ سب اقدامات بھی صحت مندانہ سرگرمیوں کا ثبوت ہیں۔ خصوصاً کرونا جیسی وباؤں میں اس کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے اور وضو سے بہتر کوئی سینٹائزر نہیں۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: «لِلّٰهِ تَعَالٰى عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ حَقٌّ أَنْ يَّغْتَسِلَ فِي كُلِّ سَبْعَةِ أَيَّامٍ يَوْمًا» ”مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ کی خاطر ہفتے میں ایک بار ضرور غسل کرے“ (صحیح بخاری:898)

نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کو اگر ہم آج کے حساب سے دیکھیں گے تو اس کی انفرادیت و اہمیت کو نہیں سمجھیں گے مگر اس تناظر میں دیکھیں کہ اس دور میں یہ فرمان جاری ہوا جب غسل کی طرف لوگوں کا مطلق رجحان نہ تھا اور صفائی ستھرائی کا کوئی شعور تک نہ تھا تو تب اس فرمان مبارک کی اہمیت بڑھ جائے گی۔ لوگوں کے اندر اس موجودہ زمانے میں صفائی ستھرائی کے حوالے سے باقاعدہ شعور اجاگر ہوا ہے اس سے پہلے تو قرون وسطیٰ (پانچویں صدی سے سولہویں صدی تک) یورپ کی حالت اس سے بھی بدتر تھی۔ اس بات کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ سسلی اور جرمنی کے بادشاہ فریڈرک ثانی (1212ء تا 1250ء) پر پاپائے روم نے کفر کا فتویٰ لگایا۔ الزامات کی فہرست میں یہ بھی تھا کہ وہ مسلمانوں کی طرح ہر روز غسل کرتا ہے۔ اسی طرح فلپ روم (1556ء تا 1598ء) نے سپین میں تمام حمام حکماً بند کرا دیے کیونکہ ان سے مسلمانوں کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ اسی بادشاہ نے اشبیلیہ کے گورنر کو محض اس لیے معزول کر دیا تھا کہ وہ روزانہ ہاتھ منہ دھوتا تھا۔ (یورپ پر اسلام کے احسان، ص: 76-77)

یہ تھیں سپورٹس کے متعلق نبی کریم ﷺ کی چند راہنمائیاں جن سے مسلم معاشرے کی سپورٹس سے متعلقہ سرگرمیوں اور ان کے مقاصد کا اندازہ ہوتا ہے۔
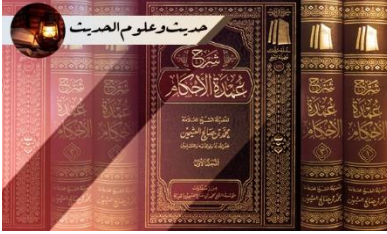
☆☆☆

حدیث نمبر 2:

عن أَبِي هُرَيْرَةَ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - «لَا يَقْبَلُ اللَّهُ صَلَاةَ أَحَدِكُمْ -إذَا أَحْدَثَ- حَتَّى يَتَوَضَّأَ»

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ: "سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کی نماز قبول نہیں کرتا ہے جب وہ بے وضو ہو جائے، یہاں تک کہ وہ وضو کر لے۔

حدیث سے اخذ ہونے والے مسائل

① اس سے نماز کی اہمیت اور اس کی فضیلت کا پتہ چلتا ہے کہ یہ ایسا عمل ہے جس سے پہلے طہارت حاصل کرنا ضروری ہے۔

② وضو نماز کے لیے شرط ہے، اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی ہے۔

③ اگر نماز شروع کرنے کے بعد وضو ٹوٹ جائے تو نماز بھی ٹوٹ جاتی ہے، ایسی صورت میں نیا وضو کرنا اور نئے سرے سے نماز پڑھنا ضروری ہے۔

④ نیک اور افضل ترین عمل کرنے کے باوجود غیر مقبول بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے کسی بھی عمل صالح کی شرعی شرائط اور آداب کا خیال رکھنا انتہائی ضروری ہے۔

حدیث نمبر 3:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، وَأَبِيْ هُرَيْرَةَ وَعَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ قَالُوْا: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - «وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ»

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ: "حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ویل یعنی خرابی ہے، ایڑیوں کے لیے آگ سے۔

حدیث کی مختصر تشریح: بعض صحیح روایات میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ سے مدینہ جارہے تھے تو راستے میں پانی نظر آیا اور عصر کا وقت تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وضو کرنے میں جلدی کی (تاکہ نماز میں دیر نہ ہو جائے) اور پاؤں دھوتے وقت جلدی میں بعض لوگوں کی ایڑیوں کا بعض حصہ خشک رہ گیا جس پر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے دو یا تین بار فرمایا کہ "خرابی ہے ان ایڑیوں کے لیے دوزخ کی آگ سے۔" یعنی جو خشک رہ گئیں یا ان کا بعض حصہ خشک رہ گیا۔

حدیث سے اخذ ہونے والے مسائل:

① سفر میں بھی نماز کا اہتمام کرنا۔

② نماز کو اول وقت میں پڑھنے کی حرص رکھنا۔

③ عمل کو سرانجام دینے میں بہت زیادہ جلدی نہ کرنے کی ترغیب تاکہ عمل کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہ ہو۔

④ عصر کی نماز کی اہمیت، جس کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وضو کرنے میں جلدی کی تاکہ نماز کو جلد اپنے وقت پر ادا کر لیا جائے۔

⑤ پانی ملنے تک نماز کو مؤخر کرنے کا جواز، بشرطیکہ اس کا آخری وقت ختم ہونے کا ڈر نہ ہو۔

⑥ جب نماز کا وقت شروع ہو جائے اور پانی بھی مل جائے تو پھر پہلی فرصت میں وضو کر کے نماز ادا کرنے کی ترغیب۔

⑦ وضو میں پاؤں کے دھونے کی فرضیت کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پاؤں پر دھونے کی صورت میں بھی ایڑیوں کے کچھ حصے کے خشک رہ جانے کی صورت میں دوزخ کی آگ سے ڈرایا۔

⑧ وضو کے تمام اعضاء تک اچھی طرح پانی پہنچانا اور وضو کے اعضا کو مل کر اچھی طرح سے دھونا ضروری ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پاؤں کی ایڑیوں تک اچھی طرح پانی پہنچانے کا حکم دیا۔

⑨ اہم مسئلہ سمجھانے کے لیے یا کسی عمل پر متنبہ کرنے کے لیے آواز کو بلند کرنا، بات کو دو یا تین بار دہرانا اور سخت بات کرنے کا جواز جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔

⑩ ہر دفعہ سخت بات اپنے حقیقی مفہوم پر نہیں ہوتی ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خشک رہ جانے والی ایڑیوں کے لیے دوزخ کی آگ سے خرابی بیان فرمائی۔

حدیث نمبر 4:

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ -رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ- أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: «إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فَلْيَجْعَلْ فِيْ أَنْفِهِ مَاءً، ثُمَّ لِيَنْتَثِرْ، وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ، وإذا اسْتَيقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ فَلْيَغْسِل يَدَيْهِ قَبْلَ أَنْ يُدْخِلَهُما في الإناء ثلاثًا، فَإِنَّ أَحدَكُم لَا يَدري أين بَاتَتْ يَدُهُ». وَفِيْ رِوَايَةٍ: «فَليَستَنشِق بِمِنْخَرَيه من الماء». وَفي لَفظٍ: «مَنْ تَوَضَّأَ فَلَيَسْتَنشِقْ».

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ: "سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی وضو کرے تو اس کو چاہیے کہ پانی اپنی ناک میں ڈالے اور پھر اس کو جھاڑے اور جو کوئی ڈھیلوں سے استنجا کرے تو وہ طاق کرے اور جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنے ہاتھ کسی برتن میں ڈالنے سے پہلے تین بار دھولے کیونکہ تم میں سے کوئی نہیں جانتا ہے کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری ہے، ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ پس وہ اپنے ناک کے دونوں نتھنوں میں پانی داخل کرے (یعنی ناک کو اچھی طرح صاف کرے) اور ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ جو وضو کرے اس کو چاہیے کہ وہ استنشاق یعنی ناک میں پانی ڈالے۔ (یعنی ناک کو صاف کرے۔)

حدیث کی مختصر تشریح اور اس سے حاصل ہونے والے بعض مسائل

یہ حدیث بظاہر ایک حدیث لگتی ہے مگر یہ تین احادیث دو متفق علیہ ہیں اور ایک صحیح مسلم کی ہے، پہلی حدیث إِذَا تَوَضَّأَ سے أَيْنَ بَاتَتْ يَدُه تک ہے اور یہ متفق علیہ ہے اور فَلْيَسْتَنْشِق سے مِنَ الْمَاءِ تک صحیح مسلم کے الفاظ ہیں اور آخری الفاظ مَنْ تَوَضَّأَ فَلْيَسْتَنْشِق متفق علیہ کے الفاظ ہیں۔

متفق علیہ کا مطلب یہ ہے کہ ایسی حدیث جس کو بخاری اور مسلم دونوں نے ایک ہی راوی سے بیان کیا ہو۔

① اس حدیث سے حدیث کی اہمیت اور حجیت کا پتہ چلتا ہے کیونکہ قرآن مجید میں چہرے کو دھونے کا حکم جبکہ حدیث میں ناک کے دونوں نتھنوں کو بھی اچھی طرح دھونے کا حکم ہے۔

② استنشاق اور استنثار دو الگ الگ عمل ہیں اور یہ دونوں عمل کرنے ضروری ہیں، استنشاق یعنی ناک میں پانی داخل کرنا اور استنثار یعنی پانی کو ناک سے جھاڑنا، باہر نکالنا۔

اور مسلم کی حدیث میں منخرین کے الفاظ ہیں جو کہ منخر کا تثنیہ ہے اور منخر ناک کے ایک نتھنے کو کہتے ہیں۔

③ صفائی اور ستھرائی کا اہتمام کرنا اور اس میں مبالغہ کرنا مشروع اور مستحب ہے۔

④ ایک ہی عمل کے بعض اجزاء کا بعض احادیث میں ذکر ہونا اور بعض کا ذکر نہ ہونا عام ہے جیسا کہ اس حدیث میں وضو کی بعض چیزوں کو بیان کیا گیا ہے، مکمل وضو کو بیان نہیں کیا گیا ہے، اس میں ان لوگوں کی بھی اصلاح ہے جو کسی حدیث میں مکمل بات یا عمل نہ ہونے پر تنقید کرتے ہیں اور ایک پورے عمل کا ایک ہی حدیث میں ہونے کا مطالبہ کرتے ہیں۔

⑤ استنجا میں مٹی کے ڈھیلوں کا کفایت کرنا ثابت ہے یعنی اگر کوئی شخص صرف مٹی کے ڈھیلوں سے استنجا کرے اور پانی نہ بھی استعمال کرے تو اس کے استنجے سے مکمل طہارت حاصل ہو گی البتہ پانی کا استعمال افضل ہے کیونکہ پانی سے صفائی مٹی کی بہ نسبت زیادہ بہتر ہے اور اسلام میں بہتر صفائی کی ترغیب ہے۔

⑥ جو شخص مٹی کے ڈھیلوں سے استنجا کرے، اس کو چاہیے کہ کم از کم تین ڈھیلے استعمال کرے اور اگر تین ڈھیلوں سے صفائی نہ ہو تو زیادہ استعمال کرے اور صفائی مکمل ہونے پر ڈھیلوں کی تعداد کو طاق کر دے مثلاً کسی کو صفائی کرنے میں چھ ڈھیلے استعمال کرنے پڑ گئے اس کو چاہیے کہ ساتواں ڈھیلا بھی استعمال کرلے تاکہ حدیث کے مطابق طاق پر عمل ہو سکے۔

⑦ جو شخص نیند سے بیدار ہو اس کو چاہیے کہ اپنے ہاتھوں کو دھوئے بغیر کسی برتن میں داخل نہ کرے اور نہ ہی کسی تر چیز کو لگائے، یہاں تک کہ اپنے ہاتھوں کو تین بار دھو نہ لے۔

⑧ اس سے مراد رات کی نیند ہے جو کہ لمبی اور گہری ہوتی ہے کیونکہ سنن ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنَ اللَّيْلِ (جب تم میں سے کوئی رات کو بیدار ہو) کے الفاظ ہیں۔ البتہ افضل یہ ہے کہ دن اور رات کے وقت مختصر نیند کے بعد بھی ہاتھوں کو دھوئے بغیر کسی برتن میں داخل نہ کرے اور نہ کسی تر چیز کو لگائے۔

⑨ ید، یعنی ہاتھ جب مطلقاً استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد کف یعنی ہتھیلی ہوتا ہے جیسا کہ اس حدیث میں لفظ ید (ہاتھ) مطلق استعمال ہوا ہے۔

⑩ گہری نیند ناقض الوضو یعنی وضو توڑنے والی چیزوں میں سے ہے، البتہ معمولی نیند یا اونگھ یا کسی سہارے سے لگ کر معمولی نیند وضو کو نہیں توڑتی ہے جیسا کہ سنن ابی داؤد اور سنن الترمذی کی حدیث جس کو امام ناصر الدین البانی رحمہ اللہ وغیرہ نے صحیح کہا ہے:

كَانَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم يَنْتَظِرُونَ الْعِشَاءَ الآخِرَةَ حَتَّى تَخْفِقَ رُءُوسُهُمْ ثُمَّ يُصَلُّونَ وَلاَ يَتَوَضَّئُونَ

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز عشاء کا انتظار کرتے یہاں تک کہ ان کے سر جھک جاتے (اونگھ اور ہلکی نیند کی وجہ سے) پھر وہ نماز پڑھتے اور (اس کے لیے نیا) وضو نہیں کرتے تھے۔

⑪ گہری نیند سے انسان ہوش و حواس میں نہیں رہتا ہے۔

⑫ نیند سے جسم کے اعضاء ڈھیلے ہو جاتے ہیں اور ہوا کے خارج ہونے کے امکانات زیادہ ہو جاتے ہیں۔

⑬ نیند کے علاوہ بے ہوشی سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ یعنی بے ہوشی ناقض الوضو ہے۔

⑭ اگر انسان کو وضو کرنے کا یقین نہ ہو تو اس کو نیا وضو کرنا ضروری ہے۔

⑮ امام یا مربی وغیرہ کا بظاہر چھوٹی چھوٹی چیزوں کی بھی راہنمائی کرنے کا اہتمام کرنا۔

⑯ دوسرے کو خیر اور نفع پہچانے کا حریص رہنا۔

حدیث نمبر 5:

عن أبي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عنهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلَّى اللهُ عليهِ وسلَّم قالَ: «لا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي المَاءِ الدَّائِمِ الَّذِي لاَ يَجْرِي، ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيهِ».

ولِمسلِمٍ «لاَ يَغْتَسِلْ أَحَدُكُمْ فِي المَاءِ الدَّائِمِ وَهُوَ جُنُبٌ»

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم میں کوئی بھی ہر گز کھڑے پانی جو چلتا نہیں ہے اس میں پیشاب نہ کرے، کہ پھر اس میں غسل کرے۔ اور صحیح مسلم کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ تم میں سے کوئی جنبی شخص کھڑے پانی میں غسل نہ کرے۔

حدیث کی مختصر تشریح اور اس سے حاصل ہونے والے مسائل

① اہم مسئلہ بتانے کے لیے تاکید سے بات کرنا۔ لَا يَبُوْلَنَّ میں لا نہی کا ہے اور يَبُوْلَنَّ فعل کے آخر پر نون ثقیلہ ہے جو تاکید کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

② یہ حدیث انسانی پیشاب کے پلید ہونے پر دلیل ہے۔

③ کھڑے پانی میں پیشاب کرنے سے خاص طور پر منع کیا گیا، کیونکہ کھڑے پانی میں گندگی سے تعفن وبدبو اور بیماریاں وغیرہ پیدا ہوتی ہیں حالانکہ جاری پانی میں بھی پیشاب نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ اچھے اخلاق کے منافی ہے اور جاری پانی میں پیشاب کرنا غیر اخلاقی ہونے کے ساتھ ساتھ غیر ضروری بھی ہے۔

④ جب کسی چیز سے ایک فرد کا فائدہ ہو اور اسی چیز سے جماعت کا یا عامۃ الناس کا نقصان وغیرہ ہو تو جماعت اور مفاد عامہ کا لحاظ رکھا جائے گا۔

⑤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خود بھی بلند اخلاق کا مالک ہونا اور اپنی امت کو بھی اعلیٰ اور افضل اخلاق سکھانا۔ یہی طریقہ اور طرز ایک داعی، عالم اور مربی وغیرہ کا ہونا چاہیے۔

⑥ صحیح مسلم کی ہی ایک حدیث میں اَلْـمَاءُ الرَّاكِدُ کے الفاظ بھی آئے ہیں:

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ، أَنَّهُ نَهَى أَنْ يُبَالَ فِي المَاءِ الرَّاكِدِ

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اَلْـمَاءُ الرَّاكِدُ یعنی کھڑے پانی میں پیشاب سے منع کیا ہے۔ اَلْـمَاءُ الدَّائِمُ اور اَلْـمَاءُ الرَّاكِدُ بظاہر ایک ہی معنی ومفہوم کے لیے استعمال ہوتے ہیں مگر اہل علم نے ان دونوں میں فروق بھی بتائے ہیں، ان فروق میں سے ایک فرق یہ ہے کہ اَلْـمَاءُ الدَّائِمُ اس پانی کو کہتے ہیں جو غذا کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور اَلْـمَاءُ الرَّاكِدُ اس پانی کو کہتے ہیں جو غذا کے علاوہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

⑦ اس حدیث میں يَغْتَسِلُ مِنْهُ کے الفاظ ہیں جبکہ ایک دوسری حدیث جو صحیح بخاری کی ہی ہے اس میں يَغْتَسِلُ فِيْهِ کے الفاظ ہیں۔ يَغْتَسِلُ مِنْهُ کا معنیٰ یہ ہے کہ اس پانی سے چلو یا کسی برتن وغیرہ کے ذریعے سے پانی لے کر نہانا اور يَغْتَسِلُ فِيْهِ کا معنیٰ یہ ہے کہ اس پانی میں داخل ہو کر نہانا۔ یہ دونوں طریقے ممنوع ہیں یعنی جس پانی میں پیشاب ہو جائے اس پانی سے چلو یا کسی برتن سے باہر نکال کر نہانا بھی منع ہے اور اس پانی میں داخل ہو کر نہانا بھی منع ہے۔ اگر پانی نجاست وپلیدگی کی وجہ سے متغیر ہو گیا ہے تو وہ پانی بالاتفاق پلید کے حکم میں ہے چاہے وہ پانی تھوڑا ہو یا زیادہ۔ اور اگر پانی زیادہ ہے اور پلیدگی کی وجہ سے متغیر نہیں ہوا تو اس پانی کے پاک ہونے پر اتفاق ہے اور اگر پانی تھوڑا ہے اور نجاست کے گرنے سے متغیر نہیں ہوا۔ ایسا بعض اہل علم کے نزدیک پلید نہیں ہے، ان اہل علم میں حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اور حضرت الحسن البصری، عبد اللہ بن المسیب، سفیان ثوری، داؤد ظاہری، امام مالک اور امام بخاری رحمہم اللہ وغیرہ ہیں اور بعض اہل علم کے نزدیک ایسا پانی پلید کے حکم میں ہے اور ان اہل علم میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور مجاہد اور احناف، شوافع اور حنابلہ وغیرہ ہیں۔

ان دونوں آراء میں پہلی رائے زیادہ راجح ہے کیونکہ ابو داؤد اور ترمذی کی حسن درجے کی حدیث «اَلْـمَاءُ طَهُوْرٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ» کہ پانی پاک ہے اور اس کو کوئی چیز پلید نہیں کر سکتی ہے۔ یہ حدیث فیصل کی حیثیت رکھتی ہے۔ والله أعلم

حدیث کے مطابق تھوڑے اور زیادہ پانی کی مقدار قلتین ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِذَا كَانَ المَاءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الخَبَثَ» وَفِيْ لَفْظٍ: «لَمْ يَنْجُسْ»، أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ، وَالْحَاكِمُ، وَابْنُ حِبَّان

کہ جب پانی کی مقدار دو قلے ہوں تو وہ پانی پلید نہیں ہوتا یعنی جب تک نجاست کے گرنے سے وہ متغیر نہ ہو اور ایک قلہ تقریباً پانچ من کا ہوتا ہے۔ اس حدیث کے مطابق جب پانی 10 مَن ہو تو وہ کثیر یعنی زیادہ پانی شمار ہو گا اور اگر 10 مَن سے کم ہے تو وہ قلیل یعنی تھوڑا پانی شمار ہو گا۔ والله أعلم بالصواب

⑧ کھڑے پانی میں استنجا وغیرہ کرنا بھی منع ہے کیونکہ استنجے میں بھی نجاست کو دور کیا جاتا ہے۔

⑨ کھڑے پانی میں پیشاب کر کے اس سے وضو کرنا اور پینا بھی اسی طرح ممنوع ہے جس طرح کہ غسل۔ ابن خزیمہ کی روایت میں يَتَوَضَّأُ مِنْهُ أَوْ يَشْرب (یعنی اس سے وضو کرنا یا اس سے پینا) کے الفاظ بھی ہیں۔ والله أعلم

عظمتِ امامت

شفیق الرحمن شاہین۔اولڈہم

ہمیں انگلش زبان والا امام چاہئے۔۔۔ ایسا خطیب چاہئے جو عربی اور انگلش دونوں زبانوں پر عبور رکھتا ہو۔۔۔ ہمارے بچے اس لئے مسجد نہیں آتے کہ یہاں انگلش زبان میں خطبہ نہیں ہوتا۔

یہ جملہ آج برطانیہ کی ہر مسجد میں آپ کو سننے میں ملے گا۔ لیکن یہاں پیدا ہونے والے برطانوی طالبعلم جو مدرسہ بھی گئے، کئی ایک نے سعودی یونیورسٹیوں سے تعلیم بھی حاصل کی، جن کے والدین انہیں عالم بنانا چاہتے تھے لیکن آج وہ امامت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کیلئے راضی نہیں ۔۔۔ اور یہ مسئلہ قریباً تمام مکاتب فکر کا ہے، ایک دیوبندی عالم دین سے بات ہوئی وہ بھی فرمانے لگے برطانیہ میں ہمارے مدارس سب سے زیادہ ہیں، ہر سال دو ڈھائی سو طلبہ عالم دین بن کر فارغ ہوتے ہیں لیکن مسجد میں پڑھانے والا نہیں ملتا، جب باہر سے منگواتے ہیں تو پھر اعتراض ہوتا ہے ہمارے لہجے میں انگلش زبان والا ہونا چاہئے۔ آخر کیا وجوہات ہیں ؟ مسئلہ کہاں ہے ؟ نوجوان ذمہ داری لینے کیلئے تیار نہیں یا کمیٹیوں کے ذمہ داروں کے ساتھ کام نہیں کرنا چاہتے۔

ساٹھ اور ستر کی دہائی سے برطانیہ منتقل ہونے والی مسلم کمیونٹی کی اہم ضروریات میں یہ بھی تھا کہ وہ مساجد قائم کرتے اور اپنی زبان کے امام وخطیب مقرر کرتے ،اور ان بزرگوں نے اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق جو کیا اچھا کیا۔ جزاھم اللہ خیراً مسجدیں، مدارس سب کچھ آج برطانیہ بھر میں ہمیں دیکھنے کو ملے گا۔ شام کے وقت مسجد آتے جاتے وقت طلبہ وطالبات کی کثیر تعداد، رمضان وعیدین کی رونقیں کسی اسلامی ملک کا منظر پیش کرتی ہیں۔ لیکن گذشتہ کچھ عرصہ سے جب یہاں پیدا ہونے والی دوسری نسل بھی اب جوان ہو چکی ہے اور مساجد میں اردوداں طبقہ بہت کم ہو چکا ہے، ان حالات میں ضرورت تھی کہ وقت کے تقاضوں اور مستقبل کے اہداف کو سامنے رکھتے ہوئے ایسے اہل علم سامنے آتے جو انگلش زبان سے اچھی طرح واقف ہوں اور یہاں کے لہجے میں بات کر سکیں۔ کئی مکاتب فکر کے یہاں مدارس بھی قائم ہوئے اور الحمدللہ اہل حدیث مکتبہ فکر کے میرے علم کے مطابق کئی ایک شہروں میں تحفیظ القرآن کے شعبہ جات قائم ہیں اور قریباً پچاس سے زائد ہماری مساجد کے طلبہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ اور جامعہ امام ملک سعود ریاض سے فراغت رکھتے ہیں۔

لیکن افسوسناک مقام یہ ہے کہ ان عالم دین فضلاء جن کی مادری زبان انگلش ہے اور عربی پر بھی عبور رکھتے ہیں، چار پانچ کے علاوہ کوئی بھی کسی مسجد کے ساتھ منسلک نہیں ہے ، بلکہ اپنا آزادانہ کام کرنا زیادہ بہتر سمجھتے ہیں اور مساجد والے ان فضلاء کی خدمات سے محروم ہیں یہ فاضلین کوئی پرائیویٹ کورسز کوئی ٹیویشن سنٹر اور کوئی Pay as you go services دینا زیادہ بہتر سمجھتا ہے اور جب ان لوگوں سے بات کی جائے تو سارا قصور مساجد کی کمیٹیز پر ڈال دیتے ہیں کہ وہ ہمیں صحیح مقام نہیں دیتے، ہم اتنے گھنٹے کام نہیں کر سکتے۔ بوڑھے تنگ کرتے ہیں، وغیرہ

راقم الحروف نے جب اس صورتحال کا جائزہ لیا تو ایک بات واضح نظر آئی کیونکہ امامت انتہائی صبر آزما اور پابندیِ وقت کا حامل فریضہ ہے جس میں امام کو 24 گھنٹے ذہنی طور پر تیار رہنا پڑتا ہے اور یہ فضلاء ایسی ڈیوٹی دینے سے گھبراتے ہیں وہ صرف یہاں کے ماحول اور قوانین کے مطابق چند گھنٹے اپنے فرائض انجام دے سکتے ہیں۔ دوسرا اہم مسئلہ کمیٹی یا انتظامیہ مسجد کا بھی ہے کہ وہ مالی طور پر اہل علم کو ان کی اہلیت کے مطابق معقول مشاہرہ دینے سے کتراتے ہیں کیونکہ اس کیلئے انہیں فنڈز جمع کرنا پڑتا ہے، محنت کرنی پڑتی ہے۔ تیسری اہم بات کہ وہ امام وخطیب کو کیونکہ تنخواہ دیتے ہیں اس لئے انہیں ایک ملازم کی طرح سمجھتے ہیں جو ان کی بیسیوں شرائط کے مطابق کام کرے اور ہمیشہ ان کے حکم کا پابند رہے۔

اب قصور کس کا ہے ، معاملہ کہاں اٹکا ہوا ہے ؟ برطانوی مسلم کمیونٹی کی دینی اقدار کے تحفظ کیلئے اس مسئلہ کو ترجیحی بنیادوں پر حل ہونا چاہئے۔

برطانوی فضلاء، علماء کی طرف دیکھتے ہیں تو ان میں اکثریت امام کی ذمہ داری سنبھالنا اپنے لئے کسرِ شان سمجھتے ہیں، سبکی تصور کرتے ہیں اور اس کو ایک عام سی جاب سمجھتے ہیں، حالانکہ ان کا یہ تصور بالکل غلط اور دین حنیف جس کے وہ وارث ہیں اس کے خلاف ہے ۔ امامت ایک عظمت ایک شان، ایک مقام ورتبہ کا نام ہے۔ امام کی فضیلت ہمیشہ اہل علم وفضل کے ہاں مسلمہ رہی ہے۔ نماز کی امامت دراصل دین کی امامت ہے ، امام ہی مسلمانوں کا قائد ہے۔ امام سے ہی مساجد حقیقی معنوں میں آباد ہوتی ہیں۔ نبی رحمت ﷺ کا فرمان ہے:

« ثَلَاثَةٌ عَلَىٰ كُثْبَانِ المِسْكِ... وَرَجُلٌ أَمَّ قَوْماً وَّ همْ بِهِ رَاضُوْنَ» ”روز قیامت تین

آدمی کستوری کے ٹیلوں پر ہونگے۔۔۔ ایک وہ شخص جو قوم کا امام رہا اور وہ اس پر خوش تھے۔"
(جامع ترمذی:1986)

ایک اور روایت میں ہے:
« لَهُ مِثْلُ أَجْرِ مَنْ صَلَّى مَعَهُ »
"امام کو اس قدر اجر ملے گا جس قدر اس کے پیچھے نماز ادا کرنے والے سب مقتدیوں کو ملے گا۔
(سنن نسائی:647؛ مسند احمد:1/284)

امامت کے شرف اور مرتبہ اتنی اہمیت کا حامل تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شوق و رغبت سے آپ ﷺ سے درخواست کیا کرتے تھے کہ
«اِجْعَلْنِي إِمَامَ قَوْمِي»
"مجھے میری قوم کا امام بنادیں۔" (سنن نسائی:647)
ایک اور روایت میں ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے درخواست کی:
« اِجْعَلْنِي إِمَامَ قَوْمِيْ، قَالَ : أَنْتَ إِمَامُهُمْ، وَاقْتَدِ بِأَضْعَفِهِمْ »
"مجھے میری قوم کا امام مقرر کر دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: آج سے تو ان کا امام ہے، کمزوروں کا خیال رکھنا۔" (سنن أبي داوٗد: 531)

جو فضلاء جان بوجھ کر اس شرف سے اپنے آپ کو محروم رکھتے ہیں وہ در حقیقت شیطان کے بہکاوے میں آجاتے ہیں جو انہیں دین کے داعی اور نیکی کی طرف بلانے کے شرف سے محروم رکھنا چاہتا ہے۔
قرآن حکیم کا یہ پیغام کتنا شاندار ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:
﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّـهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾
"اور اس سے زیادہ اچھی بات والا کون ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے کہ میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں۔" (سورۃ فصلت:33)

اس لئے ان نوجوان فضلاء کو چاہئے کہ وہ آگے بڑھیں، قوم کی قیادت کریں، امامت کو ایک شرف سمجھیں، انبیاء کی وراثت کو سنبھالیں اور دنیاوی اغراض کے سبب اپنے آپ کو اس سے محروم نہ کریں۔ علم دین کو چند پاؤنڈز یا دنیاوی سہولتوں کے ساتھ نہ تولیں۔ ان کے پاس جو علم قرآن وحدیث کی دولت ہے اس کی اہمیت کا اندازہ دنیادار لوگ نہیں لگا سکتے۔

دوسرا اہم مسئلہ مسجد کمیٹی، انتظامیہ کا ہے۔ امام وخطیب کے تقرر کے وقت اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ کسی ملازم کو ہائر کر رہے ہیں یا کوئی ان کی ماتحتی میں کام کرے گا تو یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ امام، انبیاء کا وارث ہے اس کو مصلیٰ پر کھڑا ہونا ہے تا کہ وہ قوم کی قیادت کرے، انکی دینی و شرعی اور اخلاقی راہنمائی کرے۔ امام کو قائد سمجھیں، جس امام کی عزت زیادہ ہو گی وہ مسجد بھی زیادہ آباد ہو گی۔
برطانیہ کی کئی ایک مساجد آج اس وجہ سے صحیح معنوں میں آباد نہ ہو سکیں کہ انہیں کوئی اچھا امام وخطیب نہ مل سکا، اور کمیٹی کے ذمہ دار اسی زعم میں ہیں کہ بس گزارا ہونا چاہئے کام چل جاتا ہے۔
انتظامیہ اور مقتدیوں کو یہ ضرور خیال رکھنا چاہئے کہ امام فرشتہ نہیں بلکہ آپ کی طرح کا انسان ہے۔ وہ معصوم عن الخطاٗ بھی نہیں ہے۔ عربی کے ایک شاعر کا بیان ہے:
" وَمَنْ ذَالَّذِي تُرْضَى سَجَايَاهُ كُلُّها ... كَفَى الْمَرْءَ نُبُلاً أَنْ تُعَدَّ مَعَايِبَهُ"
بھلا ایسا کوئی شخص ہے جس کی تمام عادات اور اطوار سے ہر شخص خوش ہو کسی شخص کے بڑا ہونے کیلئے یہی بات کافی ہے کہ اس کے عیوب شمار کر لیے جائیں۔
اس لئے اگر ہم چاہتے ہیں کہ یہاں کی نوجوان نسل دین کی طرف آئے، ہمیں یہاں سے ہی امام وخطیب میسر آئیں تو انہیں عزت واحترام دینا ہو گا، انکی بنیادی ضروریات، حقوق کا خیال رکھنا ہو گا، کم از کم آپ ان کیلئے وہی پسند کریں جو اپنے بیٹوں کیلئے کرتے ہیں۔ ایک دفعہ چند ذمہ دار لوگوں کے ساتھ ایک امام کی تقرری کے معاملہ پر بات چیت ہوئی تو پوچھنے لگے کیا تنخواہ دیں، میں نے کہا جو آپ کا بیٹا لیتا ہے وہی اس امام کو دے دیں کیونکہ ضروریات برابر کی ہیں، تو وہ صاحب بیٹے کی ڈگریاں بتانے لگ گئے اور امام کا کام نماز ہی پڑھانا ہے اس پر دلائل دینے لگ گئے۔ حالانکہ ایک عالم دین عام تعلیم یافتہ فرد سے کہیں زیادہ سال لگا کر تعلیمی مراحل طے کرتا ہے۔ قرآن وحدیث کے علم کا کہیں موازنہ کرنا دراصل جہالت کی دلیل ہے۔ نوجوان فضلاء اسی وجہ سے مساجد میں ذمہ داریاں نہیں سنبھال رہے کہ انہوں نے اپنا بچپن اور دوران تعلیم دیکھا ہے کہ کس طرح ذمہ دار لوگ اور مقتدی حضرات امام کے ساتھ رویہ رکھتے ہیں۔
جہاں امام کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے مقام کو پہچانے، مقتدیوں کے جذبات کا احترام کرے، محبت وپیار کا مظاہرہ کرے اور نیکی وتقویٰ کے کاموں میں آگے بڑھنے والا ہو، وہاں کمیٹی اور مقتدیوں پر بھی فرض ہے کہ وہ امام کا احترام کریں، اسکی غیبت وچغلی نہ کریں، اس کے حقوق کا خیال کریں، معمولی کمزوری سے صرف نظر کریں اور ایسا ماحول اور رویہ بنائیں کہ یہ فضلاء اور علماء مساجد میں ذمہ داریاں سنبھالنے پر خود اپنے آپ کو پیش کریں۔

☆☆☆

ڈاکٹر صہیب حسن (لندن)

سوال: اتباع ٹی وی کے توسط سے چند سوالات موصول ہوئے جن کے جوابات بزبان انگریزی دیئے گئے، انہی سے ایک سوال کرونا وبا کے حوالے سے چند احادیث کے بارے میں تھا کہ جن میں مرض کے متعدی ہونے کی نفی کی گئی ہے اور اس کے بالمقابل ایسی احادیث بھی بیان کی جاتی ہیں جن میں کوڑھی سے دور رہنے بلکہ اس سے بھاگ جانے کی ہدایت کی گئی ہے تو دونوں احادیث متضاد معلوم ہوتی ہیں، تو اس کے بارے میں وضاحت کریں!

جواب: جس حدیث کا آپ نے حوالہ دیا ہے وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس میں کئی چیزوں کی نفی کی گئی ہے، ان میں سب سے پہلی بات ہے: "لاعدوی" یعنی مرض کا متعدی ہونا غلط ہے۔

اور پھر اس کے متضاد حدیث بھی روایت کی ہے: «لایورد الممرض علی المصح» ”بیمار اونٹوں والا شخص اپنے اونٹوں کو بھلے چنگے اونٹوں والے کی گلہ میں نہ لے جائے“ (صحیح مسلم)

اور پھر یہ روایت بھی ہے: «فِرَّ مِنْ الْمَجْذُومِ فِرَارَكَ مِنْ الْأَسَدِ» (مسند أحمد: 9720)
”کوڑھی سے ایسے بھاگو جیسے تم شیر کو دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوتے ہو۔“

بظاہر تو یہ احادیث متضاد معلوم ہوتی ہیں لیکن غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ پہلی حدیث کا تعلق اعتقاد سے ہے اور باقی دو کا تعلق اسباب سے ہے۔

ایک مسلمان کا اعتقاد یہ ہونا چاہیے کہ اس کائنات میں اللہ کی مرضی کے بغیر کوئی چیز واقع نہیں ہوتی، گو ہر چیز کے پیچھے کوئی نہ کوئی سبب نظر آتا ہے جیسے آگ جلانے کا سبب بنتی ہے لیکن وہ بھی اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا:

﴿قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ﴾ (الانبیاء: 69)
”ہم نے کہا: اے آگ! ابراہیم پر ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی بن جا۔“

لیکن اسباب کی نفی نہیں کی گئی۔ کسی چیز کے حصول کے لیے جائز اسباب کا اختیار کرنا شریعت کا تقاضا ہے جیسے جنت کے حصول کے لیے ایمان اور عمل صالح مطلوب ہے اور ایسے ہی خطرات سے بچنے کے لیے اسباب کا سہارا لینا بھی ضروری ہے، جہنم سے بچنے کے لیے ان تمام قبیح حرکات سے دور رہنا ضروری ہے جو جہنم کی طرف لے جاتی ہیں لیکن اس اعتقاد کے ساتھ کہ سبب کا پیدا کرنے والا بھی اللہ ہی ہے، اس کی مرضی و منشا سے سبب میں تاثیر پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ اللہ چاہے تو بغیر سبب کے بھی کسی چیز کو وجود میں لا سکتا ہے۔

اور اس بات کی وضاحت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت کے باقی حصے سے ہو جاتی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "لاعدوی" کہا تو ایک دیہاتی نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! تو پھر ایسا کیوں ہوتا ہے کہ صحراء میں اونٹ، ہرنوں کی طرح بھلے چنگے ہوتے ہیں تو پھر ایک خارش زدہ اونٹ ان کے گلے میں داخل ہوتا ہے اور سب کو خارش میں مبتلا کر دیتا ہے؟

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: تو یہ بتاؤ کہ پہلے اونٹ کو کس نے خارش میں مبتلا کیا؟ یعنی وہ اونٹ جس نے سب اونٹوں کو اس مرض میں مبتلا کیا، اُسے یہ بیماری کہاں سے لگی؟

اب یہ تو رہی اعتقاد کی بات! لیکن چونکہ یہ دنیا اسباب پر قائم ہے اس لیے ہر صورت کسی بھی چیز کے حصول کے لیے یا کسی مضر چیز سے بچنے کے لیے اسباب کا اختیار کرنا ضروری ہے، ہمارا اعتقاد ہے کہ اللہ ہی رزق دینے والا ہے لیکن یہ رزق چھپا ہوا ہے، اسے تلاش کرنا پڑے گا۔

﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ﴾
”وہی (اللہ) ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو نرم و گداز بنایا تو پھر اس کی گھاٹیوں میں چلو پھرو اور اس کے رزق میں سے کھاؤ۔“ (الملک: 15)

ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ انسان بیمار ہوتا ہے تو اللہ ہی شفا دینے والا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ ہی نے بیشمار جڑی بوٹیاں پیدا کی ہیں جو بیماریوں کے لیے نسخہ شفاء ثابت ہوتی ہیں تو انہیں استعمال کرنے کا حکم دیا۔

اور اسی قبیل سے یہ بات بھی ہے کہ بعض مرض ایسے بھی ہیں جن کا دائرہ کار مریض تک محدود نہیں رہتا بلکہ جو شخص اس کے قریب آتا ہے وہ اس کے جسمانی لمس، اس کے پسینے، اس کی سانس یا اس کی استعمال شدہ چیز کے مس سے اس مرض کے جراثیم قبول کر لیتا ہے اور پھر اس مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ تو اس لیے کہا گیا کہ وہ اسباب اختیار نہ کرو جو تمہیں مرض کے قریب لا کھڑا کریں۔

کیا آج کل جو شخص کرونا کے جراثیم کا شکار ہو جاتا ہے، وہ اپنے علاج کے لیے ممکنہ اسباب نہیں اختیار کرتا، کیا ہسپتال میں اس کے لیے اسے مصنوعی تنفس کی مشین پر نہیں ڈالا جاتا؟ حالانکہ ہمارا ایمان ہے کہ شفا دینے والا اللہ ہی ہے!!

آخر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک اسوہ ملاحظہ ہو جس میں اعتقاد اور اسباب دونوں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔
صحیح مسلم کی اس روایت کے راوی عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام کے سفر پر روانہ ہوئے، جب مقام سرغ پر پہنچے تو علاقائی امراء، ابوعبید اللہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء ملاقات کے لیے آئے اور انہوں نے بتایا کہ شام میں طاعون کی وباء پھیل چکی ہے۔
ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: مجھ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پہلے پہلے ہجرت کرنے والے صحابہ کو لے کر آؤ تو میں نے انہیں بلایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے مشورہ کیا، انہیں بتایا کہ شام میں وباء پھیل چکی ہے (تو کیا کرنا چاہیے؟)
تو انہوں نے اختلاف رائے کا اظہار کیا، کچھ کا کہنا تھا کہ آپ ایک خاص مقصد کے لیے آئے ہیں اور ہمارے خیال میں آپ کو (اسے پورا کیے بغیر) واپس نہیں جانا چاہیے، اور کچھ کا کہنا تھا کہ آپ کے ساتھ باقی لوگ ہیں، رسول اللہ کے صحابہ ہیں اور ہمارے خیال میں آپ انہیں اس وباء میں لے کر نہ جائیں۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کہ آپ لوگ جائیں اور مجھ سے کہا کہ انصار کو لے کر آؤں، تو میں (وہاں موجود) انصاریوں کو لے کر آیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے بھی مشورہ کیا، تو ان کا طرز عمل بھی مہاجرین سے مختلف نہ تھا، انہوں نے بھی ویسا ہی اختلاف کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بھی چلے جانے کا کہا اور پھر مجھ سے کہا کہ یہاں قریش میں جتنے بھی وہ لوگ ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد ہجرت کی انہیں بلالاؤ تو میں انہیں بلا لایا تو ان میں سے کسی نے بھی اس بات سے اختلاف نہیں کیا کہ انہیں واپس جانا چاہیے اور لوگوں کو وباء کا سامنا نہیں کرنا چاہیے، تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منادی کرادی کہ میں علی الصبح واپسی کا ارادہ رکھتا ہوں تو تم سب بھی تیار رہو۔"
اس پر حضرت ابوعبید اللہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا اللہ کی (بتائی ہوئی) تقدیر سے بھاگنے کا ارادہ ہے؟"
تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: کاش یہ بات تم نے نہیں، کسی اور نے کہی ہوتی!! اے ابوعبیدہ! (اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی مخالفت ناپسند کرتے تھے) ہاں! ہم اللہ کی ایک تقدیر سے دوسری تقدیر کی طرف بھاگ رہے ہیں۔ بتاؤ اگر تمہارے پاس اونٹ ہوتے اور تم ایک ایسی وادی میں اترتے جہاں دو گھاٹیاں ہوتیں، ایک زرخیز اور ایک بنجر، تو پھر اگر تم اپنے اونٹوں کو زرخیز گھاٹی میں چراتے تو وہ اللہ کی تقدیر سے ہوتا اور اگر بنجر زمین میں چراتے وہ بھی اللہ ہی کی تقدیر سے ہوتا؟"
اتنے میں عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ آن پہنچے جو اپنی کسی ضرورت کی بناء پر کہیں گئے ہوئے تھے، انہوں نے کہا: اس بارے میں میرے پاس کچھ علم ہے، میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا ہے:
"اگر تم سنو کہ وباء کسی خطہ زمین میں پھیل گئی ہے تو وہاں مت جاؤ، اور اگر تم ایسی جگہ پر پہلے سے موجود ہو جہاں وباء پھیل چکی ہے تو وہاں سے بھاگ کر نہ جاؤ" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور واپسی کی راہ اختیار کی۔"
موجودہ دور میں قرنطینہ (چالیس دن کا احتیاطی قیام) اسی نبوی ہدایت کا ایک عملی اظہار ہے۔ یعنی احتیاطی تدابیر کا اختیار کرنا لازم ہے اور پھر معاملے کو اللہ کے سپرد کرنا ہے۔ یہ اللہ کے ہاتھ میں ہے کہ کون اس مرض میں مبتلا ہوتا ہے اور کون صحیح سالم رہتا ہے۔

سوال: ایک دوسرا سوال حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث کے بارے میں کیا گیا ہے جس میں سورج کا عرش کے نیچے سجدہ کرنے، اذن طلب کرنے اور قرب قیامت کے نزدیک لوٹ جانے اور مغرب سے طلوع ہونے کا ذکر کیا گیا ہے، اس حدیث کی وضاحت مطلوب ہے کہ اس کا سجدہ کرنا امر واقعہ کے خلاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمین کے کسی نہ کسی حصے میں یقیناً طلوع کی حالت میں رہتا ہے؟

جواب: پہلے تو اس حدیث کا متن ملاحظہ ہو۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں نمبر 3199 کے تحت مندرج ہے۔
حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب کہ سورج غروب ہو رہا تھا۔ اے ابی ذر! کیا تم جانتے ہو کہ یہ کہاں جاتا ہے؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول زیادہ علم رکھتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ یہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے، پھر اجازت طلب کرتا ہے تو اسے (دوبارہ طلوع ہونے) کی اجازت دی جاتی ہے اور عنقریب ایک وقت آئے گا کہ جب یہ سجدہ کرے گا تو اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور اجازت طلب کرے گا تو اجازت نہ دی جائے گی، اور اس سے کہا جائے گا، وہیں لوٹ جاؤ جہاں سے تم آئے ہو تو پھر وہ مغرب سے طلوع ہو گا اور یہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ﴾ (یٰسین:38)
یہاں تو باتوں کی وضاحت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ سورج کے چلنے سے اور عرش کے نیچے سجدہ کرنے سے کیا مراد ہے؟
ملاحظہ ہو کہ انسان بھی چلتا ہے اور سورج کے لیے بھی یہی لفظ (یعنی یذھب) حدیث میں آیا ہے۔ اور "تجري" قرآن میں آیا ہے۔ یعنی اس کا اپنے مدار پر چلنا یا گھومنا تو ثابت ہے۔

زمین سے سورج کا فاصلہ تقریباً 93 ملین میل کا ہے اور اس متعین فاصلے میں یہ حکمت ہے کہ اگر یہ فاصلہ اس سے آدھا ہوتا تو زمین پر درجہ حرارت اس قدر حدّت اختیار کر لیتا کہ انسان سمیت ہر چیز بھسم ہو جاتی اور اگر یہ فاصلہ دگنا ہوتا تو ہر چیز منجمد ہو کر رہ جاتی، گویا اللہ کی حکمت کا تقاضا تھا کہ یہاں اتنا درجہ حرارت ہو جو انسان سہہ سکے اور یہ کہہ سکے کہ میں دھوپ میں (یعنی سورج کے نیچے نیچے) چل رہا ہوں۔ گو سورج ہم سے لاکھوں میل دور ہے لیکن پھر بھی ہم اپنی زبان میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ میں "تحت الشمس" (سورج کے نیچے نیچے) چل رہا ہوں۔

تو پھر سورج کا اپنی مقررہ چال میں ایک وقت عین عرش کے نیچے آجانے میں کیا تعجب ہو سکتا ہے جب کہ سورج اور عرش کا فاصلہ ہمارے فہم سے بھی بالاتر ہے، اور یہ ضروری ہے کہ سجدہ کرنے کے لیے چال میں توقف آئے، کیا ہم دوران طواف جب حجر اسود کے سامنے سے گزرتے ہیں تو بغیر ٹھہرے اس کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے گزر جاتے ہیں، اور اس سے طواف میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔

یعنی سورج اپنی چال باقی رکھتا ہے لیکن سجدہ بھی کر لیتا ہے، البتہ سورج کا سجدہ ہمارے سجدے سے مختلف ہے۔

انسان اپنے سات اعضاء پر سجدہ کرتا ہے لیکن دنیا کی ہر چیز سجدہ کرتی ہے جیسا کہ سورۃ الحج کی اس آیت میں ارشاد فرمایا:

﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ﴾ (الحج:18)

"کیا تم نہیں دیکھتے کہ جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اللہ کے لیے سجدہ کرتا ہے، اور ایسے ہی سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، جانور اور بہت سے لوگ بھی۔"

گویا باقی اشیاء کا سجدہ ہماری طرح زمین پر پیشانی رکھ کر نہیں ہے بلکہ اللہ کے حکم کو ماننے کے معنی میں، یعنی باقی تمام مخلوقات اس طرح زندگی بسر کرتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو ان کے سجود کا علم ہے۔ گو ہمیں وہ سجود دکھائی نہیں دیتا، ان کا یہ سجود، ان کی تسبیح کی مانند ہے جس کے بارے میں مندرجہ ذیل آیات بتا رہی ہیں کہ ہم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔

فرمایا:

﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرُ صَافَّاتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ﴾ (النور:41)

"کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں اور پرندے بھی جو پر پھیلائے ہوئے ہیں، ہر مخلوق اپنی نماز اور تسبیح کو جانتی ہے اور اللہ جانتا ہے وہ کیا کرتے ہیں۔"

اور سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا:

﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَاوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا﴾ (الاسراء:44)

"اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے، اور کوئی چیز نہیں جو اس کی تعریف و تسبیح بیان نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں پاتے، بیشک وہ بردبار ہے، مغفرت کرنے والا ہے۔"

یعنی ہم اپنی زبان سے اور اپنی انگلیوں پر سبحان اللہ، سبحان اللہ کہتے ہیں، یہ ہماری تسبیح کا انداز ہے لیکن آسمان اور زمین اور بہت سی دوسری مخلوقات کی ہماری طرح نہ زبان ہے نہ انگلیاں ہیں لیکن پھر بھی وہ تسبیح میں مشغول ہیں اور بنص قرآنی ہم ان کے اس انداز تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے، اسی طرح سورج اور تمام دیگر اشیاء کے سجود کو سمجھنا چاہیے یعنی سورج اپنے مدار پر رواں دواں رہتا ہے، اللہ کے حکم کا تابع رہتا ہے اور ہر لمحہ اللہ ہی کے اذن سے اپنی رفتار قائم رکھتا ہے اور پھر قیامت کے نزدیک جب اسے بجائے مشرق کے مغرب سے طلوع ہونے کا حکم دیا جائے گا تو وہ یہ حکم بجالائے گا۔

☆☆☆

نام: حافظ صلاح الدین یوسف

(آپ کے والد محترم نے اپنے استاد محترم محمد یوسف جے پوری مصنف "حقیقة الفقه" کے نام پر آپ کا نام یوسف رکھا تھا۔ لیکن حافظ صاحب نے بعد میں اپنی طرف سے صلاح الدین کا اضافہ کرکے اپنا نام صلاح الدین یوسف کر لیا تھا۔ پھر اسی نام سے آپ مشہور ہوئے۔

والد کا نام: حافظ عبد الشکور بن عبد الرزاق بن محمد اعظم

تاریخ پیدائش: اگست 1945

جائے پیدائش: جے پور، راجھستان، انڈیا

ہجرت

1947 میں تقسیم ہند کے بعد چونکہ جے پور ایک پر امن علاقہ تھا۔ اس علاقہ میں تقسیم ہند سے پہلے اور نہ ہی بعد میں کبھی فرقہ وارانہ فسادات ہوئے تھے۔ اس وجہ سے حافظ صاحب کے والد محترم نے جے پور انڈیا ہی میں قیام کا فیصلہ کیا تھا۔ لیکن حافظ صاحب کے بڑے بھائی محمد ایوب صاحب اپنے دوستوں سمیت پاکستان چلے گئے تھے۔ 1949م میں وہ وہاں سخت بیمار پڑ گئے۔ اس کی اطلاع پاکر حافظ صاحب کے والد بزرگوار نے اہل خانہ کو جس میں حافظ صاحب بھی شامل تھے عیادت اور دیکھ بھال کے لئے براستہ کھوکھرا پار پاکستان بھیجا۔ کچھ عرصہ بعد آپ خود بھی پاکستان آ گئے۔ پھر پاکستان ہی میں قیام کا فیصلہ کر لیا۔ حافظ صاحب پہلے کچھ عرصہ والدین کے ساتھ حیدر آباد سندھ میں مقیم رہے۔ پھر کراچی منتقل ہو کر وہاں کی بود و باش اختیار کر لی۔ حافظ صاحب کے چھ چچا تایا تھے۔ جن میں سے صرف ایک چچا جناب عبد الغنی مرحوم نے پاکستان ہجرت کی تھی بقیہ پانچ لوگوں نے اپنے اہل و عیال سمیت جے پور ہی میں رہنا پسند فرمایا۔ یہ حضرات آج بھی مع اہل و عیال جے پور میں مقیم ہیں۔

تعلیم

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار ہی سے حاصل کی۔ "دستور المتقی" اردو کا کچھ حصہ ان سے سبقاً سبقاً پڑھا۔

کراچی منتقلی کے بعد بوہرہ پیر کی مسجد رحمانیہ میں قاری عبید اللہ بلتستانی سے عربی قاعدہ پڑھا۔ پھر جامع العلوم سعودیہ، آسن مل او جھا روڈ میں داخلہ لے کر قاری محمد بشیر صاحب سے ناظرہ قرآن مکمل کیا۔

حفظ قرآن مجید

قاری عبید اللہ بلتستانی صاحب کی ترغیب دلانے پر قاری اشفاق صاحب سے مسجد رحمانیہ ہی میں ایک سال کے اندر اندر قرآن مجید مکمل حفظ کر لیا۔

درس نظامی

جامع العلوم سعودیہ کراچی (بعد میں یہ مدرسہ سفید مسجد سولجر بازار منتقل ہو کر "دارالحدیث رحمانیہ" کے نئے نام پر موسوم ہو کر مشہور ہو گیا۔ چونکہ سفید مسجد کے بانی و منتظم شیخ عبد الوہاب صاحب تھے جو دار الحدیث رحمانیہ دہلی کے مہتمم شیخ عطاء الرحمن صاحب کے خلف الرشید تھے اسی لئے اس مدرسہ کا نام بھی آپ نے دار الحدیث رحمانیہ رکھ دیا تھا۔

حافظ صاحب نے یہاں دو سال درس نظامی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اس وقت مدرسہ کے صدر مدرس مولانا حاکم علی تھے۔ جو علم منقول (قرآن وحدیث) اور علم معقول (منطق، فلسفہ وغیرہ) میں ید طولی رکھتے تھے۔ حافظ صاحب نے ان کی علمی مہارت سے بھرپور استفادہ کیا۔

دارالعلوم تقویۃ الاسلام لاہور، المعروف غزنویہ شیش محل روڈ لاہور

اس مدرسہ کے مہتمم مولانا داؤد غزنوی رحمہ اللہ تھے۔ کراچی سے لاہور آ کر حافظ صاحب نے اس مدرسہ سے درس نظامی کا کورس مکمل کیا اور 1964م میں یہاں سے سند فراغت حاصل کی۔

جامعہ مدنیہ لاہور

پھر آپ نے جامعہ مدنیہ لاہور میں داخلہ لے کر فلسفہ، منطق، بلاغت کے علاوہ حنفی فقہ کی کتب ھدایہ وغیرہ پڑھ کر اپنی معلومات میں مزید اضافہ کیا۔

آپ کے بعض مشہور اساتذہ

① حافظ عبد الشکور صاحب (والد)
② قاری عبید اللہ بلتستانی صاحب
③ قاری محمد بشیر تبتی صاحب
④ قاری اشفاق صاحب
⑤ مولانا حاکم علی صاحب
⑥ مولانا عبد الرشید ندوی لداخی (بلتستانی) صاحب
⑦ مولانا داؤد غزنوی صاحب
⑧ مولانا حافظ محمد اسحاق صاحب
⑨ مولانا عبد الرشید گولڑوی صاحب
⑩ مولانا عبد الرشید مجاہد آبادی صاحب
⑪ مفتی عبد الحمید صاحب
⑫ مولانا ظہور الحق صاحب

نوٹ: جس شخصیت کی سرپرستی، صحبت، علم، مکتبہ، تنظیم، مشوروں اور ان کے ادارہ "المکتبة السلفیة" سے بھرپور استفادہ کیا وہ حضرت مولانا

محمد عطاءاللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ تھے۔ حافظ صاحب نے مولانا سے سبقاً سبقاً کوئی کتاب تو نہیں پڑھی تھی لیکن پندرہ سولہ سال کی علمی سرپرستی اور صحبت نے آپ کو کافی بنایا، سنوارا اور تراشا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حافظ صاحب کی شخصیت پر حضرت الشیخ بھوجیانی رحمہ اللہ کے کافی اثرات اور چھاپ تھی۔

آخری تعلیمی سال (1965م) کے تین اہم مقالے

1۔ میں بھی حاظر تھا وہاں ضبط سخن کر نہ سکا

(جنرل ایوب کے زمانہ میں یہ جشن میلاد کے رد پر مقالہ تھا جو ہفت روزہ الاعتصام لاہور میں 6 اگست 1965م میں شائع ہوا۔)

2۔ پاکستانی صحافت جو پیرہن اس کا ہے وہ مذھب کا کفن

(یہ مضمون آپ نے قومی صحافت کی بے راہ روی کے خلاف لکھا تھا جو 1965م میں ہفت روزہ الاعتصام لاہور میں شائع ہوا۔)

3۔ خوگر حمد سے تھوڑا گلہ بھی تو سن لے

(تجلی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید کی حمایت و مدافعت میں سلسلہ وار شائع ہونے والے مضامین کے ضمن میں یہ مقالہ لکھا تھا۔ جو 1995م ہی میں ہفت روزہ الاعتصام لاہور میں دو قسطوں میں شائع ہوا۔)

برصغیر کی جن شخصیات کو آپ نے زیادہ پڑھا

① مولانا ابوالکلام آزاد
② قاضی سلمان منصور پوری
③ مولانا ثناءاللہ امرتسری
④ مولانا شبلی نعمانی
⑤ سید سلیمان ندوی
⑥ مولانا نعیم صدیقی
⑦ مولانا اسماعیل سلفی
⑧ مولانا مودودی
⑨ جناب منظور حسین عرف ماہر القادری
⑩ جناب شورش کاشمیری رحمہ اللہ

حافظ صاحب کی پہلی تصنیف

خلافت وملوکیت کی تاریخی وشرعی حیثیت

1965م میں مولانا مودودی کے ماہوار رسالے "ترجمان القرآن" لاہور میں ایک مضمون قسطوار شائع ہوا جو بعد میں "خلافت و ملوکیت" کے نام سے کتابی شکل میں منظر عام پر آیا۔ حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ نے 1965م ہی میں 20 قسطوں میں اس کا رد لکھا۔ جو ہفت روزہ الاعتصام لاہور میں شائع ہو گیا تھا۔ مولانا مودودی کے مضامین جب کتابی شکل اختیار کر کے منظر عام پر آگئے تو حافظ صاحب کے ذھن میں یہ خیال آیا کہ ان کے مضامین بھی کتابی شکل میں شائع ہوں۔ آپ نے جب اپنی لکھی ہوئی قسطوں کا جائزہ لیا تو کافی تشنگی محسوس ہوئی چنانچہ ایک نیا خاکہ بنایا اور اپنے شیخ مولانا محمد حنیف بھوجیانی کے مشورہ اور ان کے مکتبہ سے استفادہ کرتے ہوئے از سر نو مولانا مودودی کی کتاب کا رد لکھا۔ اور اپنے شیخ مولانا محمد حنیف کی نظر ثانی کے بعد اس کو کتابی شکل میں بنام "خلافت و ملوکیت کی تاریخی و شرعی حیثیت" شائع کروایا۔ اس وقت حافظ صاحب کی عمر محض 22 سال تھی۔ یہ 1966م کا واقعہ ہے۔

تدریسی خدمات

حافظ صاحب اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد مسجد ومدرسہ دارالعلوم محمدیہ مدنی روڈ، دھرم پورہ (مصطفی آباد) لاہور سے منسلک ہو گئے۔ جہاں امامت و خطابت کے ساتھ ترجمہ قرآن و تفسیر کی کلاس کے علاوہ درس نظامی کی بعض کتب بھی پڑھاتے رہے۔

درس نظامی کی تدریس کا یہ سلسلہ مختصر وقفہ تک جاری رہ کر دیگر مصروفیات کی وجہ سے بند ہو گیا۔ دھرم پورہ، مدنی روڈ لاہور کی جامع مسجد میں بعد نماز فجر درس قرآن اور بعد نماز عشاء درس حدیث دیتے رہے۔ اسی مسجد میں 1988م سے تادم واپسیں خطبہ جمعہ دیتے رہے۔ نیز اسی طرح دیگر مساجد اور مدارس میں بھی آپ کے دعوتی خطابات ہوتے رہے۔

جرائد ومجلات کی ادارت

1۔ ہفت روزہ الاعتصام لاہور: حافظ صاحب نے 23 سال (1970-1993) ادارت کے فرائض انجام دیئے۔ (اس 23 سالہ مدت میں آپ نے الاعتصام میں جو اداریے اور علمی مذاکرہ کے تحت جو مضامین لکھے ان کی تعداد تقریباً 400 ہے)

2۔ ماہنامہ محدث لاہور کی ایک سال (1998) ادارت فرمائی۔

3۔ ان کے علاوہ دیگر ماہ ناموں میں بھی مختصر میعاد کے لئے آپ نے ادارت کے فرائض انجام دیتے رہے؛ مثلاً ماہنامہ البدر، ماہنامہ تفہیم الاسلام، ماہنامہ ضیائے حدیث وغیرہ۔ نیز آپ کے قیمتی مضامین ملک و بیرون ملک کے دیگر جرائد، رسائل اور اخبارات میں بھی شائع ہوتے رہے۔

دارالسلام سے وابستگی اور اس کے شعبہ تحقیق وتالیف وترجمہ کی ادارت

مولانا عبدالمالک مجاہد صاحب کی دعوت پر 1993م میں حافظ صاحب نے دارالسلام الریاض میں تالیف و تصنیف و ترجمہ کا کام شروع کیا۔ ریاض میں چار ماہ رہ کر آپ لاہور واپس آگئے جہاں اسی سال دارالسلام کی ایک شاخ کا افتتاح ہوا تھا۔ حافظ صاحب نے 1993م سے 2015م تک پورے 22 سال اس کے شعبہ تحقیق و تالیف وترجمہ میں بحیثیت مدیر خدمات انجام دیتے ہوئے اپنے علمی جوہر دکھلائے۔

تفسیر احسن البیان

سعودی حکومت نے پہلے مجمع الملک فہد سے مولانا شبیر عثمانی صاحب کی تفسیر شائع کرائی تھی۔ لیکن اس میں عقدی، فکری وغیرہ کی بہت سی اغلاط کی وجہ سے اس کو بند کر دیا۔ حافظ صاحب کے بقول، مولانا عبدالمالک مجاہد صاحب کی خواہش تھی کہ کیوں نہ ہم اس کا کوئی متبادل تیار کر کے مجمع سے

شائع کروانے کی کوشش کریں! چنانچہ مجاہد صاحب نے پہلے کسی اور صاحب علم کو یہ ذمہ داری سونپی تھی۔ لیکن بات کچھ بن نہ سکی لہٰذا حافظ صاحب کو یہ ذمہ داری سونپ دی گئی۔ مولانا عبدالمالک مجاہد صاحب نے حافظ صاحب سے دو باتوں کا تقاضا کیا تھا کہ ایک تفسیر (حاشیہ) بالکل مختصر وجامع ہو اور دوسرا یہ کام جلد سے جلد مکمل کیا جائے۔ نصرت خداوندی شامل حال رہی حافظ صاحب نے یہ عظیم کام لاہور میں مکمل کر لیا۔ جس کا مسودہ مجمع الملک فہد کی کمیٹی کو سونپا گیا۔ جہاں منظوری کے بعد شائع ہو کر دنیا بھر میں تقسیم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس مختصر تفسیر کو قبول عام عطا کیا۔

وفاقی شرعی عدالت پاکستان میں آپ کے چند اہم بیانات

① کرایہ مکان و دکان کی حیثیت
② مشترکہ کمپنی کے مال میں زکاۃ کا وجوب
③ شفعہ کے حقدار کون کون ہیں
④ توہین رسالت کی اسلامی سزا اور موجودہ سزا میں اصلاح کی ضرورت
⑤ مسئلہ شہادت نسواں عقل و نقل کی روشنی میں
⑥ مسئلہ شہادت نسواں۔ جناب جاوید احمد غامدی کے عدالتی بیان کے جواب میں جس میں چند نکات کی وضاحت جس میں انہوں نے جمہور علماء کے برعکس موقف اختیار کیا تھا۔
⑦ انتخابی قوانین کی اصلاح کے ضمن میں
⑧ انکم ٹیکس کی شرعی حیثیت
⑨ حد رجم کی شرعی حیثیت اور مغالطات کا ازالہ
⑩ کرنسی کی قیمت کم ہونے پر پیدا شدہ مسائل کے سلسلہ میں جواب

آپ کے چند اہم مقالہ جات

حافظ صاحب کے مقالات کا احاطہ کرنا وقت طلب کام ہے۔ آپ نے تقریباً چار سو مقالات لکھے ہیں۔ جن میں سے بطور مثال چند یہ ہیں:

① بسلسلہ سود۔ سپریم کورٹ شریعت آپ لیٹ بنچ کے دس سوالات کے مفصل جوابات
② پاکستانی عدالتوں میں انسداد سود کی کوششوں کا جائزہ
③ اجتہاد اور تعبیر شریعت کے اختیار کا مسئلہ
④ پریس آرڈیننس کی متعلقہ دفعہ میں اصلاح و ترمیم کی ضرورت
⑤ اخلاقی بحران سے نجات۔ اسوہ حسنہ ﷺ کی روشنی میں
⑥ زندگی میں وراثت کی تقسیم للذکر مثل حظ الانثیین کے مطابق تقسیم کرنے کا جواز اور اس کے اصول۔ ایک قابل تنقیح و تحقیق مسئلہ۔
⑦ نصوص قرآن و حدیث میں تبدیلی اسلام سے انحراف ہے۔
⑧ عورت کی نصف دیت اور اس کی حکمت و مصلحت
⑨ انکار حدیث کا مطلب اور منکر حدیث کا مصداق کون؟
⑩ مسئلہ خلع اور احناف، طلاق تفویض، حلالہ مروجہ ملعونہ کے جواز کے دلائل کا جائزہ

چند اہم مقامی و بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت

① صوبائی سیرت کانفرنس،لاہور۔1982ء
② ہمدرد سیرت کانفرنس، کراچی۔1983ء
③ آل پاکستان علماء کنونشن۔ بسلسلہ شریعت بل۔لاہور۔1986ء
④ تحفظ حرمین شریفین کانفرنس، لندن برطانیہ۔جولائی1988ء
⑤ عالمی دعوت کانفرنس، برمنگھم۔ زیر اہتمام مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ۔ اگست 1988ء
⑥ دعوت کانفرنس اسلام آباد۔ زیر اہتمام دعوہ اکیڈمی۔ ستمبر 1993ء
⑦ بین الاقوامی امام ابو حنیفہ کانفرنس۔ اسلام آباد اکتوبر 1998ء
⑧ انٹرنیشنل کانفرنس بعنوان "دھشت گردی، اسلامی ممالک کو درپیش چیلنج"، کراچی۔ زیر اہتمام روزنامہ جنگ گروپ پاکستان۔ دسمبر 2001ء

تصانیف و تالیفات

حافظ صاحب رحمہ اللہ کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تصانیف و تالیفات تقریباً 120 ہیں۔

آپ کی بعض مطبوعہ اہم کتب

① اَحسن الحواشی۔ مختصر حواشی مع لفظی ترجمہ (ناشر: مکتبہ دارالسلام لاہور)
② احکام الجنائز۔ جنازے کے احکام و مسائل اور مسئلہ ایصال ثواب کا علمی و تحقیقی جائزہ (ناشر: المدینہ اسلامک ریسرچ سنٹر کراچی)
③ اسلامی خلفاء و ملوک اور تاریخ اسلام سے متعلق چند غلط فہمیوں کا ازالہ (ناشر: دارالدعوہ السلفیہ، شیش محل روڈ لاہور)
④ اہل حدیث کا منہج اور احناف سے اختلاف کی حقیقت و نوعیت (ناشر: ام القری پبلی کیشنز و دار ابی طیب، گوجرانوالا)
⑤ اہل حدیث اور اہل تقلید (ناشر: دارالدعوۃ السلفیہ،لاہور)
⑥ اہل سنت اور محرم الحرام (ناشر: حارث پبلی کیشنز کراچی)
⑦ ایک مجلس میں تین طلاقیں اور اس کا شرعی حل، مشاہیر امت اور پاک و ہند کے متعدد علمائے احناف کی نظر میں، ایک دعوت غور و فکر (ناشر: مکتبہ دارالسلام لاہور)
⑧ تحریکِ جہاد اہل حدیث اور علمائے احناف۔ سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی تحریکِ جہاد کی بابت تاریخ سازی کا جائزہ اور مخالفین کے افتراءات والزامات کی حقیقت۔ (ناشر:

ضیاءاللہ کھوکھر، ندوۃ المحدثین، اسلام آباد، گوجرانوالہ)
⑨ حصن المسلم (ترجمہ) (ناشر: مکتبہ دارالسلام لاہور۔المدینہ اسلامک ریسرچ سنٹر کراچی)
⑩ رضاعت کے مسائل (ناشر: مکتبہ دارالسلام لاہور)
⑪ ریاض الصالحین ترجمہ و تشریح (ناشر: مکتبہ دارالسلام لاہور)
⑫ عظمت حدیث اور اس کے تقاضے (ناشر: مکتبہ دارالسلام لاہور)
⑬ عورت کی سربراہی کا مسئلہ اور شبہات ومغالطات کا ایک جائزہ (ناشر: دارالدعوۃ السلفیہ لاہور)
⑭ فتنہ غامدیت ایک تحقیقی جائزہ (ناشر: دار ابی طیب گوجرانوالہ)
⑮ مسئلہ رویت ہلال (ناشر: مکتبہ دارالسلام لاہور)
⑯ مفرور لڑکیوں کا نکاح اور ہماری عدالتیں (ناشر: مکتبہ دارالسلام لاہور)
⑰ عمر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تحقیقی نظر (ناشر: مکتبہ ضیاءالحدیث گڑھی شاہو، لاہور)
⑱ یوم آخرت پر ایمان اور مسئلہ عذاب قبر (ناشر: مکتبہ ضیاءالحدیث گڑھی شاہو، لاہور)
⑲ واقعہ معراج اور اس کے مشاہدات، ایک تحقیقی جائزہ (ناشر: مکتبہ دارالسلام لاہور)
⑳ نفاذ شریعت کیوں اور کیسے؟ (ناشر: مکتبہ دارالسلام لاہور)

آپ کی غیر مطبوعہ زیر تسوید بعض اہم کتب

① خودکشی اور بھوک ہڑتال اسلام کی نظر میں
② سرزمین ہند میں چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی کی ستیزہ کاری اور میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی اور ان کے تلامذہ کا تجدیدی کام
③ شیعہ سنی تصادم، جارح اور ذمہ دار کون؟
④ شیعت نوازی اور بے اعتدالی کی ایک عجیب و غریب مثال
⑤ عقائد وایمانیات
⑥ مجموعہ قوانین اسلامی (بھارت) کی غیر اسلامی دفعات کا ایک مختصر جائزہ
⑦ فیشن پرستی اور اظہار زینت
⑧ منہج سلف کی پیروی میں اہل حدیث کا امتیاز (دینی، علمی، قرآنی اور حدیثی خدمات)
⑨ حدیث" اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالی تمہیں ختم کرکے ایسی قوم پیدا کرتا جو گناہ کرکے اللہ سے بخشش مانگتی" کا صحیح مطلب
⑩ منحة الباری ترجمه الأدب المفرد للبخاری (1300 احادیث پر مشتمل الادب المفرد کا اردو ترجمہ مع تعلیق و تخریج)

فتاوی

حافظ صاحب نے اپنی زندگی میں ملک وبیرون ملک سے آئے ہوئے سینکڑوں استفتاء کے جوابات لکھے۔

ایوارڈ

حافظ صاحب کو مختلف اداروں نے ایوارڈز، اعزازات اور تمغوں سے نوازا۔ ان میں سے بعض یہ ہیں:

1- وزارت مذہبی امور، زکوۃ وعشر، حکومت پاکستان ایوارڈ
2- جنگ گروپ کراچی پاکستان ایوارڈ
3- جامعہ لاہور اسلامیہ کی المجلس العلمی ایوارڈ
4- پیغام ٹی وی پاکستان ایوارڈ

اعزازات و مناصب

① ممبر اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان
② مشیر وفاقی شرعی عدالت پاکستان
③ رکن رویت ہلال کمیٹی پاکستان
④ رکن شوری مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان

اولاد

حافظ صاحب کی کل سات اولاد ہیں۔ چار بیٹیاں اور تین بیٹے۔ ایک بیٹے شیخ حافظ عثمان یوسف مدنی جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے کلیۃ الحدیث کے فارغ التحصیل ہیں۔ اور الحمد للہ والد بزگوار کے ادھورے علمی منصوبوں کی تکمیل میں جت گئے ہیں۔ اللہ تعالی آپ کی مدد فرمائے اور آپ کو والد مرحوم کا سچا اور حقیقی جانشین بنادے آمین۔

حافظ صاحب کا سراپا

مربوع بدن، درمیانہ قد، اجلی رنگت، کتابی نورانی چہرہ، کشادہ پیشانی، آنکھیں بڑی اور روشن، ناک اونچی ستواں، گھنی اور لمبی داڑھی، سر پر پورے شرعی بال لوکیوں تک دراز، جس پر سادی جال کی ٹوپی، سادا اور صاف ستھر الباس، دھیمے لیکن مستحکم انداز میں بیان فرماتے، رعب دار باوقار شخصیت کے مالک تھے۔

وفات

9 جولائی 2020ء جمعرات کے دن آپ کو بخار ہوگیا۔ تین دن بخار اور نقاہت کی کیفیت رہی۔ پھر وقت موعود آپہنچا۔ بروز اتوار 12 جولائی 2020ء موافق 20 ذی قعدہ 1441ھ رات بارہ بج کر بیس منٹ پر حافظ صاحب نے داعی اجل کو لبیک کہا اور وفات پاگئے۔ إنا لله وإنا اليه راجعون

نماز جنازہ

کرونا کی مہاماری کے باوجود آپ کے جنازے میں اسقدر ازدحام تھا کہ دو مرتبہ نماز جنازہ پڑھانی پڑی۔ پہلی نماز شیخ حافظ مسعود عالم صاحب حفظہ اللہ اور دوسری نماز شیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے پڑھائی۔

تدفین

جامعہ منظور الاسلامیہ کے بالمقابل صدر قبرستان لاہور میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔
اللّٰهُمَّ اغفر له وارحمه وادخله فسيح جناتك جنات النعيم آمين.

مسجد اقصیٰ کی مختصر تاریخ

سرزمین فلسطین کی طرف سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام نے ہجرت کی تھی۔ مسجد اقصیٰ کی بنیاد حضرت یعقوب علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے رکھی تھی اور اس کی وجہ سے شہر یروشلم آباد ہوا۔ ان کے تقریباً 600 سال بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو قوم فرعون کی غلامی سے نجات دلا کر اس بابرکت زمین میں جگہ دی۔ لیکن یہ ناشکر گزار قوم آزادی کی اس نعمت کی قدر نہ کر سکی، اور شرک سمیت مختلف قسم کی برائیوں مبتلا ہوتی گئی۔ اس وجہ سے اگلے اڑھائی تین سو سال یہ مختلف ریاستوں کے حملوں کا شکار ہوتی رہی۔ مثلاً فلستیوں نے بنی اسرائیل کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کرکے فلسطین کے بڑے حصے پر قبضہ کرکے وہاں سے ان کو بے دخل کر دیا حتیٰ کہ ان سے خداوند کے عہد کا صندوق۔۔۔ تابوت سکینہ۔۔۔ تک چھین لیا۔ اسی بدقسمتی کے دور کا تذکرہ سورہ بنی اسرائیل آیات 4۔5 میں ہوا۔ تبھی بنی اسرائیل کو ایک فرمان روا کے تحت متحدہ سلطنت قائم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ان کی درخواست پر حضرت سموئیل نبی نے 1020(ق۔م) میں حضرت طالوت جیسے جلیل القدر صاحب علم اور دانا و بینا انسان کو ان کا بادشاہ مقرر کر دیا۔ جن کے دور میں بنی اسرائیل متحد ہوئے اور ان کا یہ عروج تقریباً سو سال تک جاری رہا۔ حضرت طالوت سولہ سال تک قیادت کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ ان کی وفات (1004ق۔م) کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام چالیس سال تک بنی اسرائیل کی اس سلطنت کے بادشاہ رہے اور ان کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام چالیس سال تک حکمران رہے۔ انہوں نے (961ق م) مسجد اقصیٰ کی تعمیر کرائی جس میں ان کے ماتحت جنوں نے بھی حصہ لیا۔

بنی اسرائیل کی ریاستوں میں تقسیم اور ہیکل سلیمانی کی پہلی تباہی

حضرت سلیمان علیہ السلام کا انتقال 926 (ق۔م) میں ہوا۔ ان کی وفات کے بعد اسرائیلی باہمی چپقلش کے باعث دو حصوں میں بٹ گئے۔ شمالی فلسطین اور شرق اُردن میں دولت اسرائیل کا پایہ تخت "سامریہ" بنا۔ اور جنوبی فلسطین اور ادوم کے علاقے میں سلطنت یہودیہ کا پایہ تخت "یروشلم" بن گیا۔ شمالی فلسطین کی ریاست اسرائیل میں شرک اور اخلاقی بیماریاں عروج پر پہنچ گئیں۔ ان کی اصلاح کے لئے مختلف انبیاء تشریف لاتے رہے۔ مثلاً حضرت الیاس، حضرت الیسع، حضرت ہوسیع، حضرت عاموس علیہم السلام ودیگر۔ لیکن ان کی پے درپے تنبیہات نے اسرائیلیوں پر کوئی اثر نہیں ڈالا۔ جس کے نتیجے میں 721ق۔م) میں اشوریہ کے سخت گیر بادشاہ سارگون نے سامریہ کو فتح کرکے دولت اسرائیل کا مکمل خاتمہ کر دیا۔ ہزارہا اسرائیلی تہہ تیغ کر دیے گئے اور 27ہزار سے زیادہ اشوری سلطنت کے مختلف علاقوں میں تتر بتر کر دیے اور دوسرے علاقوں سے لاکر غیر قوموں کو اسرائیل کے علاقے میں بسایا گیا۔ جبکہ بنی اسرائیل کی دوسری ریاست جو یہودیہ کے نام سے جنوبی فلسطین میں قائم ہوئی تھی جس کا پایہ تخت یروشلم بنا تھا۔ اس میں بھی وہی بد اخلاقیاں راسخ ہو چکی تھیں ان میں حضرت یسعیاہ اور حضرت یرمیاہ، حضرت حنانی، حضرت میکایاہ، حضرت یرمیاہ، حضرت عاموس جیسے جلیل القدر انبیاء علیہم السلام اصلاح کیلئے تشریف لاتے رہے لیکن ان کی کوششوں کے باوجود اسرائیلی شرک اور دیگر برائیوں سے باز نہ آئے۔

598ق۔م میں شاہ بابل بخت نصر نے یروشلم سمیت پوری دولت یہودیہ کو اپنے تابع فرمان بنا لیا۔ لیکن بغاوت کے فطری عنصر نے اسرائیلیوں کو چین نہ لینے دیا آخر کار 587ق م میں بخت نصر نے ایک سخت حملہ کرکے یہودیہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی یروشلم اور ہیکل سلیمانی کو اس طرح پیوند خاک کر دیا کہ اس کی ایک دیوار بھی اپنی جگہ پر کھڑی نہ رہ سکی اور 10 لاکھ بنی اسرائیلیوں کو غلام بنا کر اپنے ساتھ عراق لے گیا تھا۔ یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کے تین سو چالیس سال بعد بیت المقدس یا ہیکل سلیمانی مکمل مسمار کر دیا گیا تھا۔

یہ تھا بنی اسرائیل کا پہلا فساد اور پہلی سزا جس کا تذکرہ سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر 4 میں ہوا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسرائیلیوں میں جہاں بہت سے بدکار تھے وہاں ان کے اندر ایک گروہ خیر سے محبت کرنے والا بھی رہا ہے اسی لیے حق تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَيْسُوا سَوَاءً ۗ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّـهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ﴿١١٣﴾ يُؤْمِنُونَ بِاللَّـهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَـٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١١٤﴾ وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَن يُكْفَرُوهُ ۗ وَاللَّـهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ﴿١١٥﴾﴾ "کہ سارے اہل کتاب یکساں نہیں ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو راہ راست پر قائم ہیں۔ راتوں کی اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور اس کے آگے سجدہ

ریز ہوتے ہیں۔ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائیوں سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں سرگرم رہتے ہیں ۔ اللہ پرہیز گاروں کو خوب جانتا ہے۔''

(سورۃ آل عمران:113۔114)

ایسے ہی صالحین کی مسلسل کوششوں اور توبہ وانابت الی اللہ کی دعوت کے باعث رحمت الٰہیہ نے ان کی ایک بار پھر یاوری کی اور پچاس سال کے اندر اندر حالات نے پھر پلٹا کھایا اور بابل کی سلطنت کو زوال ہوا۔ (539ق م) میں شاہ فارس ۔۔۔ سائرس اعظم۔۔۔ یا خسرو نے بخت نصر کو شکست دے کر بابل کو فتح کر لیا اور بنی اسرائیل کو فلسطین واپس جانے کی اجازت دے دی۔ اب اسرائیلیوں نے بیت المقدس کو دوبارہ تعمیر کرنے کا پروگرام بنایا لیکن ہمسایہ قومیں جو اس علاقے میں آکر آباد ہو گئی تھیں مزاحمت کرتی رہیں اور بیت المقدس یا مسجد اقصیٰ دوبارہ تعمیر نہ کیا جاسکا۔ خسرو کے بعد نئے ایرانی بادشاہ دارا نے 522(ق۔م) یہودیہ کے آخری بادشاہ کے پوتے ''زروبابل'' کو یہودیہ کا گورنر مقرر کیا اور اس نے اپنے زمانے کے مرد صالح زکریا کی معاونت سے بیت المقدس کو نیا تعمیر کیا۔ 445ق م میں نحمیاہ کی زیر قیادت ایک اور جلاوطن گروہ یہودیہ واپس آیا اور شاہ ایران نے نحمیاہ کو یروشلم کا حاکم مقرر کر دیا اور بیت المقدس تعمیر کرنے اور شہر کے گرد فصیل بنانے کا حکم دیا۔ اس طرح یروشلم شہر ڈیڑھ سو سال بعد دوبارہ آباد ہوا۔

اسی دوران میں بعض تفسیری روایات کے مطابق 350ق ۔ م میں حضرت عزیر (حضرت عزیر Ezra ان کا زمانہ 450ق م کے لگ بھگ ہے۔ نبی کا یہاں سے گزر ہوا تو شہر یروشلم کو مردہ پا کر انہوں نے اظہار حسرت کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک سو سال کیلئے سلا دیا۔ اس عرصے میں یروشلم کی دوبارہ آبادکاری کے انتظامات ہو گئے ۔اب ایرانی سلطنت کا زوال شروع ہو گیا۔ ادھر سکندر اعظم کی حکمت عملی اور فوجی طاقت نے ہر طرف فتوحات کے جھنڈے گاڑ دیے اور یونانیوں کو ایرانیوں کی جگہ اقتدار حاصل ہو گیا۔ لیکن سکندر اعظم کی 33 برس کی عمر میں ہندوستان سے واپسی پر اچانک وفات ہو گئی، جس سے اس کی سلطنت تین سلطنتوں میں تقسیم ہو گئی۔ سلجوقی سلطنت کے حصے میں شام کا علاقہ آگیا جس کا دارالحکومت انطاکیہ بنا۔ اس کے فرمانروا انٹیوکس ثالث نے 198ق م۔ میں فلسطین کا کنٹرول حاصل کر لیا، یہودیوں کے مذہب سے اس بادشاہ کو سخت نفرت تھی اس نے جبراً یہودیت کی شکل شرک میں بدل دی۔ قوم یہود کافی عرصہ اس کے دباؤ کے تحت زندگی گزارتی رہی ۔غالباً اسی دوران میں حضرت عزیز علیہ السلام نبی 100 سال کے بعد جاگے تو یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ بیت المقدس پھر آباد اور یروشلم پر رونق شہر بن چکا ہے۔ (سورۃ البقرہ:249)

یہ غالباً 458ق م کی بات ہے۔ اب ملک فارس کا مسند نشین ''اردشیر'' تھا۔ اس نے حضرت عزیر نبی کی بڑی عزت افزائی کی اور ان کو خدا کی شریعت کو نافذ کرنے کے اختیارات دیے۔ چنانچہ حضرت عزیز نے بڑا تعمیری کام کیا۔ انہوں نے بنی اسرائیل کا مذہبی سرمایہ مرتب کیا۔ اس وجہ سے ان کی بنی اسرائیل میں بڑی عزت بنی، حتیٰ کہ انہیں خدا کا بیٹا تک کہا گیا۔ (سورہ التوبہ)

مکابی تحریک کی اٹھان

175ق م میں اس کے بعد انیٹوکس چہارم کے دور میں یہودیوں کے اندر سے ایک اصلاحی تحریک اٹھی جسے تحریک مکابی کہا جاتا ہے، اس تحریک کے نتیجے میں یونانی مغلوب ہو گئے اور مکابیوں نے سلطنت سنبھال لی جو 67ق م تک قائم رہی۔ (آج کل اسرائیل کی کرنسی ''شیکل'' کا نام بھی وہی ہے جو مکابی دور میں رائج تھا) کچھ عرصہ بعد انہی کے درمیان پھوٹ پڑ گئی اور انہوں نے خود رومی فاتح پومپئی کو فلسطین پر حملہ کرنے کی دعوت دے ڈالی۔ چنانچہ پومپئی نے 63ق م میں بیت المقدس پر قبضہ کر لیا۔ یاد رہے کہ رومی فاتحین کی پالیسی تھی کہ وہ مفتوح علاقوں پر مقامی حکمرانوں کے ذریعے نظم و نسق چلایا کرتے تھے ۔ انہوں نے 40ق م میں ایک ہوشیار یہودی ہیروڈیس کو حکمران مقرر کر دیا جو 36 سال تک حکمران رہا۔ اسی کے زمانے میں بیت المقدس کی تعمیر نو کی گئی۔ شہر کو منظم کیا گیا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے چار سال پہلے اس کی موت ہو گئی۔ (اس کے نام سے یروشلم کا ایک دروازہ بھی منسوب ہے) ہیروڈیس کے بعد اس کی ریاست تین حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ اس کا ایک بیٹا ارخلاؤس 6 عیسوی تک حکمران رہا۔ کیونکہ قیصر آرگسٹس نے اس کو معزول کر کے اس کی پوری ریاست اپنے گورنر کے ماتحت کر لی اور 41 عیسوی تک یہی انتظام رہا یہی زمانہ تھا جب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی اصلاح کیلئے اٹھے اور یہودیوں کے تمام مذہبی پیشواؤں نے مل کر ان کی مخالفت کی اور رومی گورنر پونتس پیلاطس سے ان کو سزائے موت دلوانے کی کوشش کی۔

ہیرود کا دوسرا بیٹا ''ہیرود اینٹی پاس'' شمالی فلسطین کے علاقہ گلیل اور شرق اردن کا مالک ہوا اور یہی وہ شخص ہے جس نے ایک رقاصہ کی فرمائش پر حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر قلم کر کے اس کی نذر کیا۔ اس کا تیسرا بیٹا فلپ ''کوہ حرمون'' سے دریائے یرموک تک کے علاقے کا مالک ہوا۔ وہ رومی تہذیب میں از سر تا پا ڈوبا ہوا تھا۔ 41 عیسوی میں ہیرودڈا اعظم کے پوتے ''ہیروداگرپا'' کو رومیوں نے پورے علاقے کا حاکم مقرر کر دیا جن پر اس کے دادا کی حکمرانی تھی۔

ان کی بداعمالیوں کی نحوست پھر ظاہر ہونا شروع ہو گئی۔ جس کا نتیجہ یروشلم اور بیت المقدس کی تباہی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ 66 عیسوی میں ''ہیروداگرپا'' کے خلاف بغاوت ہو گئی اور 70ء میں ٹیٹوس نے بزور شمشیر یروشلم کو فتح کر لیا اور اہل فلسطین کا قتل عام کیا۔ جس میں ایک لاکھ 33 ہزار افراد قتل ہو گئے اور 67 ہزار غلام بنا کر

تھپیڑوں میں بھوکے شیروں کے ہاتھوں بھنبھوڑے جانے کیلئے مختلف علاقوں میں بھیج دیے گئے۔ اور یروشلم کے شہر اور ہیکل کو مسمار کرکے پیوند خاک کر دیا گیا۔ اور فلسطین سے یہودی اثر و اقتدار ایسا مٹا کہ 2 ہزار برس تک اس کو پھر سر اُٹھانے کا موقع نہ ملا۔ اور یروشلم کا مقدس ہیکل پھر کبھی تعمیر نہ ہو سکا۔ بعد میں رومیوں کے بادشاہ قیصر ہیڈریان نے اس شہر کو دوبارہ آباد کیا مگر اب اس کا نام بیت المقدس نہیں بیت ایلیا تھا۔ جو کہ فلسطین میں صدیوں سے آباد قوموں کے سب سے بڑے معبود تھا"ایل" کے نام پر تھا۔ یہ دیوتاؤں کا باپ تھا اس کی بیوی کا نام عشیرۃ تھا اور اسی سے خداؤں اور خدانیوں کی ایک پوری نسل چلی تھی جن کی تعداد 70 تک پہنچتی تھی۔ عراق کا مشہور معبود 'بعل' بھی اسی کی اولاد تھا۔ بیت ایلیا میں مدتہائے دراز تک یہودیوں کو داخلے کی اجازت نہ تھی۔۔۔ یہ تھی وہ سزا جو بنی اسرائیل کو دوسرے فساد عظیم کی پاداش میں ملی۔

مندرجہ بالا واقعات کی روشنی میں ان آیات کا مطالعہ کیجئے۔

﴿وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا ، فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ ۚ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ، ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ،﴾

"پھر ہم نے اپنی کتاب میں بنی اسرائیل کو اس بات پر بھی متنبہ کر دیا تھا کہ تم دو مرتبہ زمین میں فساد عظیم برپا کرو گے اور بڑی سرکشی دکھاؤ گے۔ آخر کار جب ان میں سے پہلی سرکشی کا موقع پیش آیا تو اے بنی اسرائیل ہم نے تمہارے مقابلے پر ایسے بندے اٹھائے جو نہایت زور آور تھے وہ تمہارے ملک میں گھس کر ہر طرف پھیل گئے۔ یہ ایک وعدہ تھا جسے پورا ہو کر ہی رہنا تھا۔ اس کے بعد ہم نے تمہیں ان پر غلبے کا موقع دے دیا اور تمہیں مال اور اولاد سے مدد دی اور تمہاری تعداد پہلے سے بڑھادی۔ دیکھو تم نے بھلائی کی تو وہ تمہارے اپنے ہی لیے بھلائی تھی، اور برائی کی تو وہ تمہاری اپنی ذات کیلئے برائی ثابت ہوئی۔" (175 ق م میں اس کے بعد انیٹوکس چہارم کے دور میں یہودیوں کے اندر سے ایک اصلاحی تحریک اٹھی جسے تحریک مکابی کہا جاتا ہے، اس تحریک کے نتیجے میں یونانی مغلوب ہوگئے اور مکابیوں نے سلطنت سنبھال لی جو 67 ق م تک)۔ پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا تو ہم نے دوسرے دشمنوں کو تم پر مسلط کیا تاکہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور مسجد بیت المقدس میں اسی طرح گھس جائیں جس طرح پہلے دشمن گھسے تھے اور جس چیز پر ان کا ہاتھ پڑے اسے تباہ کرکے رکھ دیں۔ (77 عیسوی میں رومی انقلاب کی طرف اشارہ ہے)

اور انہوں نے بیت المقدس اور شہر پھر سے تعمیر کر لیے تھے۔ کہا جاتا ہے پہلی صدی (ق م) میں جب رومیوں کا قبضہ ہوا تو انہوں نے اس شہر یروشلم کو ایلیا کا نام دیا تھا (یروشلم کا نام حدیث میں بھی ایلیا آیا ہے۔ حدیث أبی هریرة إنما یسافر إلی ثلاثة مساجد مسجد القبلة و مسجد إیلیا)، یروشلم پر دوسری تباہی رومیوں کے دور میں نازل ہوئی۔ رومی جرنیل طیطوس نے 70 میں یروشلم اور ہیکل سلیمانی دونوں برباد کر دیے۔ 620ء میں نبی ﷺ جبرئیل علیہ السلام کی رہنمائی میں مکہ سے بیت المقدس پہنچے اور وہاں سے معراج آسمانی کیلئے تشریف لے گئے۔ یاد رہے کہ مکہ مکرمہ سے بیت المقدس کا فاصلہ تقریباً سوا آٹھ سو میل یا بارہ سو کلو میٹر ہے۔ یروشلم کے جنوب میں بیت اللحم اور الخلیل اور شمال میں رملہ ہے۔ بیت المقدس کئی پہاڑیوں پر واقع ہے۔ ایک پہاڑی کا نام کوہ صیہون (Zion) ہے، جس کے نام پر یہودیوں کی عالمی تحریک صیہونیت قائم کی گئی ہے۔

اسلامی عہد میں مسجد اقصیٰ کی تعمیر

137 (ق م) میں رومی بادشاہ ہیڈریان نے شوریدی سر یہودیوں کو بیت المقدس اور فلسطین سے جلاوطن کر دیا۔ چوتھی صدی عیسوی میں رومیوں نے عیسائیت قبول کرلی اور بیت المقدس میں گرجا تعمیر کیا۔ جب نبی ﷺ معراج کو جاتے ہوئے بیت المقدس پہنچے تو اس وقت یہاں کوئی باقاعدہ مسجد تھی نہ ہیکل اور نہ کوئی مندر۔ مفسرین کرام کے مطابق قرآن کریم نے اسی جگہ کو مسجد اقصیٰ کہا ہے۔ جہاں حضرت یعقوب علیہ السلام نے مسجد بنائی تھی۔ 17 ہجری یعنی 639ء میں عہد فاروقی میں عیسائیوں سے کئے گئے ایک معاہدے کے تحت بیت المقدس مسلمانوں کے قبضے میں آگیا۔ اور یہاں مسجد تعمیر کی گئی جس میں لکڑی کا استعمال زیادہ کیا گیا تھا۔ خلیفہ عبدالملک کے عہد میں مسجد اقصیٰ کی باقاعدہ تعمیر عمل میں لائی گئی اور صخرہ معراج پر قبة الصخراء بنایا گیا۔ 1099ء یعنی 492 ھجری میں یورپی صلیبیوں نے بیت المقدس پر حملہ کر کے 70 ہزار مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ 1187ء یعنی 583ھ میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس کو عیسائیوں کے قبضے سے چھڑایا۔

بیت المقدس پر یہودیوں کا قبضہ

پہلی جنگ عظیم کے دوران ستمبر 1917 میں انگریزوں نے بیت المقدس اور فلسطین پر قبضہ کر کے یہودیوں کو یہاں آباد ہونے کی عام اجازت دے دی۔ یہود و نصاریٰ کی سازش کے تحت نومبر 1947 میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے دھاندلی سے کام لیتے ہوئے فلسطین کو عربوں اور یہودیوں میں تقسیم کر دیا اور جب 14 مئی 1948 کو یہودیوں نے اسرائیل کے قیام کا اعلان کر دیا تو پہلی عرب اسرائیل جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ کے نتیجے میں اسرائیلی فلسطین کے 78 فیصد رقبے پر قابض ہوگئے تاہم مشرقی یروشلم (بیت المقدس)

سمیت غرب اردن کا علاقہ اردن کے قبضے میں آ گیا۔ تیسری عرب اسرائیل جنگ (جون 1967) میں اسرائیلیوں نے بقیہ فلسطین اور بیت المقدس پر بھی تسلط جمالیا۔ مسلمانوں کا قبلہ اول اب یہودیوں کے قبضے میں ہے۔ 70 عیسوی کی تباہی سے ہیروڈیس (40ق م) کی بنائی ہوئی ہیکل سلیمانی کی ایک دیوار کا کچھ حصہ بچا ہوا ہے۔ جہاں یہودی زائرین آکر روتے ہیں۔ اسی دیوار کے ساتھ نبی ﷺ نے براق کو باندھا تھا۔ اس لیے اس کا نام دیوار براق ہے۔

مسجد اقصیٰ کا موجودہ کمپلیکس ایک لاکھ چوالیس ہزار سکویر میٹر یا 144 ایکڑ (انگریزی میں acress اور عربی میں "دونم" کہا جاتا ہے) پر مشتمل ہے۔ یہ سارا علاقہ مسجد اقصیٰ، القدس یا بیت المقدس ہی کہلاتا ہے۔ جس دور میں رسول اللہ ﷺ معراج کیلئے تشریف لائے تھے۔ اس دور میں بعض واقعہ نگاروں کے مطابق یروشلم میں رومی بادشاہ ہیڈریان کی حکومت تھی اسی نے یہاں ہیکل کے تمام آثار مٹا کر رومی دیوتا پیٹر کی پوجا کیلئے ایک مندر تعمیر کیا تھا۔ لیکن قرآن کہتا ہے کہ نہ تو وہاں کوئی مندر تھا نہ کوئی ہیکل بلکہ مسجد اقصیٰ اس وقت موجود تھی۔ سیرت پر لکھی گئی دوسرے تیسرے درجے کی کتابوں سے تو ثابت ہوتا ہے کہ یروشلم میں بیت المقدس موجود تھا۔ جہاں آنحضور نے نماز پڑھائی اور (روحانی طور پر) انبیاء کی امامت کروائی تھی۔

البدایہ میں ابن کثیر لکھتے ہیں:

"و قد كان هرقل حين جاءه الكتاب النبوى وهو بايلياء ووعظ النصارىٰ فيما كانوا قد بالغوا فى القاء الكناسة على الصخرة حتى وصلت إلى محراب داؤد قال لهم إنكم لخليق أن تقتلوا على هذه الكناسة مما امتهنتم هذا المسجد كما قتلت بنو اسرائيل على دم يحى بن زكريا ثم امروا بإزالتها فشرعوا فى ذالك فما ازالوا ثلثها حتى فتحها المسلمون فازالها عمر بن الخطاب." (2688)

یروشلم کا نام حدیث میں بھی ایلیا آیا ہے۔ حدیث أبي هريرة انما يسافر إلى ثلاثة مساجد مسجد القبلة و مسجد ايليا) و حديث هرقل

مسجد اقصیٰ میں پہلی نماز فجر کی ادائیگی

باب حطہ کے بائیں طرف وضو خانے ہیں، جن کی صفائی قابل رشک نہیں ہے کیونکہ اسرائیلی گارڈز کوئی چیز مسجد کے اندر لانے کی اجازت نہیں دیتے، تعمیر تو دور کی بات کوئی چیز مرمت بھی نہیں کی جاسکتی، باب حطہ کے سامنے تقریباً 25،30 گز تک ایک ہی لیول ہے اور اس پورے ایریے میں زیتون اور شاہ بلوط کے بے شمار درخت بڑی خوبصورتی کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ کچھ درخت کالی مرچ کے بھی ہیں۔ 25-30 گز کے بعد پھر چند سیڑھیاں ہیں اور اس کے بعد ایک لمبا احاطہ ہے جہاں قبۃ الصخراء ہے۔ اس قبۃ الصخراء کو ہی مسجد اقصیٰ کا سیمبل سمجھا جاتا ہے۔ جب ہم اس کے پاس سے گزرے تو پوری تاریخ نگاہوں میں گھوم گئی۔ ایسے لگا جیسے ہم صدیوں پہلے کی دنیا میں سانس لے رہے ہیں، اسی تقدس کے ہالے میں لپٹے ہوئے ہم نے صحن قبۃ الصخرا عبور کیا۔ کیونکہ تہجد کی اذان کے بعد اذان فجر میں کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوتا۔ صحن قبۃ الصخراء کو عبور کرکے پھر نیچے سیڑھیاں اترتی ہیں جہاں سے مسجد اقصیٰ میں جایا جاتا ہے۔ یہ بلڈنگ جانب جنوب واقع ہے۔ کعبۃ اللہ کی طرف رخ ہونے کی وجہ سے اسے مسجد قبلی کہا جاتا ہے۔

مسجد قبلی

مسجد قبلی۔۔۔ مسجد اقصیٰ کا حصہ ہے بلکہ لگتا ہے یہی قدیمی مسجد ہے۔ اسے سیدنا فاروق اعظم کے حکم سے 15 سن ہجری (636 میلادی) میں تعمیر کیا گیا۔ لیکن اس کی تزئین و آرائش دور اموی میں عبدالملک بن مروان نے شروع کی اور تکمیل اس کے بیٹے الولید کے ہاتھوں 705 میں ہوئی۔ اس کی تزئین و آرائش بہت دفعہ ہوتی رہی۔ اس کے گنبد میں قرآنی آیات کی اتنی خوبصورت خطاطی اور آرائش کی گئی ہے کہ جب تک مسجد کے فرش پر لیٹ کر اسے نہ دیکھا جائے۔ بھرپورہ نظار نہیں کیا جاسکتا۔ اس مسجد کے فرشی ہال میں کم و بیش دو ہزار نمازی نماز ادا کرسکتے ہیں۔ محراب میں جلی حروف میں یہ عبارت کندہ ہے:"سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس کو صلیبیوں سے چھڑانے کے بعد 1188ء میں اس محراب کی تجدید کروائی تھی۔

خیال رہے کہ یورپی صلیبیوں نے 1099ء میں یروشلم پر قبضہ کیا تھا اور پھر پورے 88 سال بعد کردستان سے تعلق رکھنے والے عظیم مجاہد صلاح الدین ایوبی نے اسے دوبارہ فتح کیا۔ اللہ کی قدرت دیکھیئے کہ انگلینڈ، فرانس، جرمنی، اٹلی اور یورپ کے دوسرے عیسائیوں نے فلسطین کی طرف یلغار کرنے سے قبل اپنی وحشیانہ مہم جوئی کے بارے میں سوچ و بچار اور مشورے و منصوبہ بندی کرنے کی غرض سے فرانس کے شہر "کلیر مونت ایرون" میں ایک چرچ کا انتخاب کیا تھا۔ وہ چرچ آج الجزائری اور مراکشی مسلمانوں نے کرائے پر لے رکھا ہے اور وہاں پنجوقتہ نماز ادا کی جاتی ہے اور اب تو اس شہر میں ایک وسیع قطع اراضی پر عالی شان مسجد کی تعمیر کا منصوبہ بندی بھی ہو رہی ہے۔ واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔

سلطان ایوبی کا منبر

سلطان ایوبی نے بیت المقدس کے شایان شان ایک منبر بھی بنایا تھا روایت کے مطابق سلطان نے تین منبر بنوائے تھے۔ ایک منبر مسجد الخلیل میں موجود ہے۔ ایک بیت المقدس میں اور ایک جامعہ دمشق کیلئے۔ لیکن سلطان کو یہ منبر بیت المقدس پہنچانے کی مہلت نہیں ملی تھی اور ان کے جانشین نے اسے مسجد اقصیٰ کی زینت بنا دیا تھا جو پورے

781 تک مسجد اقصیٰ کی زینت بنا رہا تا آنکہ 1969 میں ایک بدبخت یہودی نے آگ لگا کر ناکارہ کر دیا اور اب وہ مسجد اقصیٰ کے میوزیم میں جلا ہوا موجود ہے۔ یہ منبر ہماری عظمت رفتہ کی نشانی ہے۔ جب مسلمان بطور فاتح کے داخل ہوئے اور اپنی رواداری اور مروت کے انمٹ نقوش چھوڑے جس کا مسلم اور غیر مسلم سب کو اعتراف ہے۔ جانے کتنے علماء، خطباء اور رہنماؤں نے اس منبر پر کھڑے ہو کر تقریریں کیں اور اس محراب اور میناروں سے اذان اور تلاوت ہوتی رہی اور ہوتی رہے گی۔ اس مسجد کے دائیں طرف اذان اور امام کی استراحت کی جگہ، اور چھوٹے چھوٹے دفاتر ہیں جبکہ بائیں طرف مسجد عمر، محراب زکریا اور حجلہ مریم ہے۔ مسجد قبلی میں ساری نمازیں ادا کی جاتی ہیں۔ نماز جمعہ میں بھی مرکزی اجتماع یہیں ہوتا ہے۔ مرد حضرات تو قبلی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں جبکہ خواتین قبۃ الصخراء میں۔ ہم سبھی افراد مسجد کی اگلی صفوں کی جانب بڑھے، جبکہ خواتین مسجد کی بائیں طرف ان کیلئے مخصوص حصے میں نماز ادا کیلئے چلی گئیں۔ ہم نے تحیۃ المسجد اور چند نوافل ادا کیے۔ مسجد کی اگلی صفوں میں لوگ قالین پر اور کچھ لوگ کرسیوں پر بیٹھ کر تلاوت و اذکار میں مشغول تھے اور ہلکی ہلکی تلاوت کی آواز سے مسجد گونج رہی تھی۔ تھوڑی دیر میں فجر کی اذان ہو گئی، فجر کی سنتوں کے تھوڑی ہی دیر میں پونے پانچ بجے نماز کیلئے اقامت کہی گئی۔ نمازِ فجر الشیخ عبدالکریم الزربائی نے پڑھائی۔ حسن اتفاق سے انہوں نے سورہ الاسراء کے پہلے چند صفحات کی فلسطینی لہجے میں تلاوت کی۔ زندگی میں پہلی بار مسجد اقصیٰ میں نماز فجر ادا کرنے اور قرآن کی مقدس متعلقہ آیات (جن میں مسجد اقصیٰ کا ذکر ہوا) کی تلاوت سننے کا موقع ملا۔ آپ کیا سمجھتے ہیں، کیا جذبات ہوئے ہوں گے؟ خاص طور پر جب ان آیات کا ترجمہ، تذکرہ اور پس منظر ہمارے سامنے موجود تھا۔ نماز کے بعد امام صاحب سے ملاقات ہوئی۔ تعارف ہوا۔ انہوں نے فلسطین آمد پر بے پناہ خوشی کا اظہار کیا۔ امام عبدالکریم الزربائی مدینہ یونیورسٹی سے تعلیم یافتہ ہیں۔ انہوں نے اس حوالے سے پرانی یادیں تازہ کیں۔ ہمارے گروپ میں برمنگھم سے گلزار احمد شیخ صاحب جنہیں سبھی اہل قافلہ "مودی صاحب" کہتے تھے کیونکہ ان کی شباہت نریندر مودی صاحب سے ملتی تھی۔ ان کی زوجہ بھی انہیں شیخ مودی کہتی تھیں) انہیں تصویر اور ویڈیو بنانے کا فن خوب آتا ہے، انہوں نے امام صاحب کے ساتھ میری تھوڑی سی وڈیو بھی ریکارڈ کر لی تھی۔ سورج نکلنے تک ہم مسجد اقصیٰ کے حسن کے مختلف زاویے دیکھنے اور پھر روزمرہ اذکار میں مشغول رہے اور اشراق پڑھ کر مسجد سے باہر نکلے تو قبۃ الصخراء کے عقب سے سورج نکلنے کا عجیب نظارہ تھا۔ امام صاحب کی معیت میں ہم نے یہ مناظر موبائل کے کیمرے میں محفوظ کر لیے، مزید ملاقاتوں کے وعدے پر ان سے رخصت لی اور باب حطہ ہی سے نکل کر واپس ہوٹل آ گئے۔ ناشتہ کے بعد 12 بجے تک آرام کیا۔

مسجد عمر رضی اللہ عنہ، حجرہ مریم، اور محراب زکریا کی زیارت

ظہر سے ایک گھنٹہ پہلے تیار ہو کر ہم سبھی احباب قافلہ پھر بیت المقدس کی جانب روانہ ہوئے۔ نماز ظہر کے بعد ساتھیوں کو مسجد اقصیٰ کی تفصیلی زیارت اور تاریخ سے آگاہ کرنا تھا۔ اس کیلئے میں نے کچھ مواد اکٹھا کر لیا تھا۔ نماز کے بعد مسجد اقصیٰ یا مسجد قبلی کی بائیں جانب متصل چھوٹی سی جگہ جسے مسجد عمر یا مصلی عمر کہا جاتا ہے، روایت کے مطابق فتح بیت المقدس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہاں نماز ادا کی تھی، وہاں بیٹھ کر میں نے ساتھیوں کو بریفنگ دی۔ انہیں فتح بیت المقدس کی تفصیل سنائی اور اس بابرکت جگہ کی اہمیت سے مطلع کیا۔ وہاں سے ایک کھڑکی سے باہر جھانکا تو مسجد اقصیٰ کی دوسری جانب کافی دور تک یہودیوں کی سرگرمیاں نظر آئیں، مسجد اقصیٰ کے نیچے سے نام نہاد ہیکل سلیمانی برآمد کرنے کی غرض سے جو کھدائی کی جارہی ہے وہ نظر آئی۔ بہت پہلے ہم نے اس کھدائی کے بارے سنا تھا۔ پھر خاموشی طاری ہو گئی ہمیں لگا کہ عالم اسلام کے احتجاج و اضطراب کی وجہ سے کھدائی بند کر دی گئی ہے لیکن وہ تو اب بھی جاری ہے۔ پھر ہم مسجد عمر کے متصل دوسرے حجرہ مریم میں آ گئے۔ جس کے بارے میں سورہ آل عمران کی آیت 37 تا 39 میں ذکر آیا کہ ان کے خالو حضرت زکریا علیہ السلام نے انہیں اپنی کفالت میں لے کر رکھا تھا اور اس کے ساتھ ہی متصل محراب زکریا ہے۔ جس کے بارے قرآن میں ذکر آیا کہ جب حضرت مریم سے غیبی رزق بارے حضرت زکریا علیہ السلام نے پوچھا تو اس معصوم بچی نے جواب دیا: ﴿هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ کہ یہ رزق اللہ کی جانب سے ہے یہ سن کر سیدنا زکریا علیہ السلام نے وہاں دعا مانگی تھی۔

﴿ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ﴾

اس جگہ کو محراب زکریا کہا جاتا ہے۔ پھر ہم مصلی مروانی دیکھنے گئے۔

☆☆☆

حضرت جعفر بن ابی طالب ؓ کی حبشہ سے مدینہ منورہ آمد پر آپ ﷺ کا خوش ہونا!

حضرت جعفر بن ابی طالب ؓ کی حبشہ سے مدینہ منورہ آمد پر آپ ﷺ نے انہیں چوم کر فرمایا، مجھے نہیں معلوم کہ مجھے کس بات کی خوشی زیادہ ہے۔

غزوۂ خیبر میں حضرت جعفر بن ابی طالب ؓ خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے، ان کے ساتھ اَشعری مسلمان یعنی حضرت ابو موسیٰ اَشعری ؓ اور ان کے رُفقاء بھی تھے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ کا بیان ہے کہ یمن میں ہمیں رسول اللہ ﷺ کے ظہور کا علم ہوا تو ہم لوگ یعنی مَیں اور میرے دو بھائی اپنی قوم کے پچاس آدمیوں سمیت اپنے وطن سے ہجرت کر کے ایک کشتی پر سوار آپ کی خدمت میں روانہ ہوئے، لیکن ہماری کشتی نے ہمیں نجاشی کے ملک حبشہ میں پھینک دیا، وہاں حضرت جعفر ؓ اور ان کے رفقاء سے ملاقات ہوئی، انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بھیجا ہے اور یہیں ٹھہرے رہنے کا حکم دیا ہے اور آپ لوگ بھی ہمارے ساتھ ٹھہر جایئے۔ چنانچہ ہم لوگ بھی ان کے ساتھ ٹھہر گئے اور خدمت نبوی میں اس وقت پہنچ سکے جب آپ خیبر فتح کر چکے تھے، آپ نے ہمارا بھی حصہ لگایا، لیکن ہمارے علاوہ کسی بھی شخص کا جو فتح خیبر میں موجود نہ تھا، کوئی حصہ نہیں لگایا، صرف شرکاءِ جنگ ہی کا حصہ لگایا، البتہ حضرت جعفر ؓ اور ان کے رفقاء کے ساتھ ہماری کشتی والوں کا بھی حصہ لگایا اور ان کے لیے بھی مالِ غنیمت تقسیم کیا اور جب سیدنا جعفر ؓ نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ ﷺ نے ان کا استقبال کیا اور انہیں چوم کر فرمایا، واللہ میں نہیں جانتا کہ مجھے کس بات کی خوشی زیادہ ہے، خیبر کے فتح کی یا جعفر کی آمد کی۔

یاد رہے کہ ان لوگوں کو بلانے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن ابی اُمیہ ضمری ؓ کو نجاشی کے پاس بھیجا تھا اور اس سے کہلوایا تھا کہ وہ ان لوگوں کو آپ کے پاس روانہ کرے، چنانچہ نجاشی نے دو کشتیوں پر سوار کر کے انہیں روانہ کر دیا، یہ کل 16 آدمی تھے اور ان کے ساتھ ان کے باقی ماندہ بچے اور عورتیں بھی تھیں، بقیہ لوگ اس سے پہلے مدینہ آچکے تھے۔

(الرحیق المختوم، بحوالہ صحیح بخاری: ج1، حدیث: 443، زاد المعاد: 2/139؛ تاریخ خضری: 1/128)

اس رب سے جو ہنستا ہے، اس سے ہم مایوس نہیں ہیں، یہ سن کر آپ ﷺ ہنس پڑے

ابو الربیع بن سالم نے اپنی کتاب الاکتفاء میں بیان کیا ہے کہ جب اللہ کے رسول ﷺ تبوک سے واپس ہوئے تو بنی خزارہ کا وفد آپ کی خدمت میں آیا جو دس سے زیادہ لوگوں پر مشتمل تھا، جو رملہ بنت الحارث کے گھر میں ٹھہرے تھے جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اسلام کا اقرار کرنے کے لیے آئے تھے اور جو دبلی پتلی سواریوں پر آئے ہوئے تھے، اللہ کے نبی ﷺ ان کے ملکوں کے متعلق دریافت فرما رہے تھے، ان میں سے ایک نے کہا: اے اللہ کے رسول (ﷺ) ہمارے ملک خشک ہو چکے ہیں، ہمارے مویشی ہلاک ہو چکے ہیں، ہمارے بچے فاقہ کشی کا شکار ہیں، اپنے پروردگار سے آپ دعا فرمائیے کہ وہ ہم پر بارش نازل فرمائے، اپنے رب سے ہمارے لیے سفارش فرمایئے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: پاک ہے اللہ کی ذات، خرابی ہو تیری، میں نے اللہ سے سفارش کی ہے، کون ہے جو اللہ کے پاس سفارش کرے گا، اس اللہ عظیم کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اس کی کرسی آسمانوں اور زمین پر وسیع ہے، اس کی کرسی سے ایسی آواز آتی ہے جیسے نئی سواری سے آواز آتی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ہنستا ہے۔ دیہاتی نے پوچھا کہ اللہ کے رسول (ﷺ) اس نے کہا کہ پھر ہم ہنسنے والے رب کی خیر سے مایوس نہیں! اللہ کے نبی ﷺ اس کی بات پر ہنس پڑے۔ پھر منبر پر چڑھے اور چند کلمات ارشاد فرمائے اور آپ ﷺ کسی دعا پر اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند نہیں فرماتے تھے، سوائے استسقاء (بارش طلب کرنے کی دعا) کے، چنانچہ آپ ﷺ نے دونوں ہاتھوں کو بلند فرمایا، یہاں تک کہ آپ ﷺ کے بغلوں کی سفیدی دیکھی گئی، آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! تو ہمیں سیراب کر ایسی بارش سے جو مددگار خوشگوار، سرسبز کرنے والی اور مفید ہو، نقصان دہ نہ ہو، جلد ہو نہ کہ دیر سے آنے والی، اے اللہ! پانی پلا اپنے بندوں کو اور اپنے چوپایوں کو اور پھیلا دے اپنی رحمت اور زندہ کر دے اپنے مردہ (بنجر اور بے آباد) شہر کو۔ (زاد المعاد: 3/571)

جنگ حنین کے موقع پر ہوازن قبیلہ کا تیاری کے ساتھ میدان جنگ کی طرف جانے کا سن کر آپ ﷺ کا مسکرانا

حضرت سہل بن حنظلیہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مقام حنین کو نکلے، جب

شام ہوئی تو نماز کے لیے رسول اکرم ﷺ کے پاس آگئے، اتنے میں ایک آدمی آپ کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا کہ میرے سامنے قبیلہ ہوازن کے لوگ اپنے مال اور مویشی اور اہل وعیال کے ساتھ مسلمانوں سے مقابلہ کے لیے حنین کی طرف رواں دواں ہیں، یہ سن کر اللہ کے نبی ﷺ نے مسکرایا اور فرمایا کہ اگر اللہ چاہے تو کل یہ سب مسلمانوں کا مال غنیمت ہو گا، پھر آپ ﷺ نے صحابہ سے پوچھا کہ آج رات کون ہمارے لیے پہرہ دے گا؟ انس بن مرثد الغنوی نے کہا کہ میں اے اللہ کے رسول (ﷺ!) آپ ﷺ نے فرمایا: سوار ہو جاؤ، اپنی سواری پر اور اس گھاٹی کی سب سے اونچی جگہ پر چلے جاؤ، چنانچہ جب صبح ہوئی تو وہ نماز کے لیے آپ ﷺ کی خدمت میں آئے، آپ ﷺ نماز صبح سے فارغ ہو چکے تھے، آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کیا رات میں کچھ محسوس کیے؟ انہوں نے کہا: نہیں، آپ ﷺ نے پوچھا، کیا اپنی جگہ سے کسی اور جگہ منتقل ہوئے، انہوں نے کہا کہ نہیں، صرف نماز کے لے یا ضرورت کے لیے! آپ ﷺ نے یہ سن کر ان سے فرمایا کہ تم پر واجب ہو گئی ہے (جنت)، اب اس کے بعد تمہیں کچھ بھی عمل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (سنن ابو داؤد، کتاب الجہاد، حدیث صحیح:2501)

حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کو ایک سفر میں اللہ کے نبی ﷺ نے بطور مزاح زاملہ فرمایا!

حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سفر میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ تھا، پڑاؤ کرنے کے بعد جب قافلہ چل پڑتا تو بچا ہوا سامان آپ ﷺ مجھ پر لاد دیتے اور آپ ﷺ مجھے بطور مزاح زاملہ (باربرداری کرنے والا اونٹ) سے یاد فرماتے تھے۔ (مجمع الزوائد:ج9، حدیث:398)

رسول اکرم ﷺ کی سب سے زیادہ محبوب سورت

حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ والے سال اثناء سفر میں راہ چلتے رسول اللہ ﷺ نے اپنی اونٹنی پر ہی سورۃ فتح کی تلاوت کی اور ترجیع سے پڑھ رہے تھے، اگر مجھے لوگوں کے جمع ہو جانے کا ڈر نہ ہوتا تو میں آپ کی تلاوت کی طرح ہی تلاوت کر کے تمہیں سنا دیتا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورۂ فتح کی تفسیر بحوالہ بخاری و مسلم اور مسند احمد)

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّـهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ وَيَنصُرَكَ اللَّـهُ نَصْرًا عَزِيزًا﴾ "بے شک اے نبی ہم نے تمہیں ایک ظاہر فتح دی ہے تاکہ جو کچھ آپ کے گناہ کئے ہوئے اور جو پیچھے رہے سب کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے اور تم پر اپنا احسان پورا پورا کرے اور آپ کو سیدھی راہ چلائے۔ اور آپ کو ایک زبردست مدد دے۔ (سورۃ الفتح:1-3)

مسند احمد میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا، تین مرتبہ میں نے آپ سے کچھ پوچھا، آپ نے کوئی جواب نہ دیا، اب تو مجھے سخت ندامت ہوئی اس امر پر کہ افسوس میں نے حضور کو تکلیف دی، آپ جواب دینا نہیں چاہتے اور میں نے خواہ مخواہ آپ کو پریشان کیا، پھر مجھے ڈر لگنے لگا کہ اس بے ادبی پر میرے بارے میں کوئی وحی آسمانی نہ نازل ہو، چنانچہ میں نے اپنی سواری کو تیز کیا اور آگے نکل گیا، تھوڑی دیر گزری تھی کہ میں نے سنا کوئی منادی میرے نام کی ندا کر رہا ہے، میں نے جواب دیا تو اس نے کہا چلو تمہیں حضور یاد فرماتے ہیں، اب تو ایک دم ڈر گیا کہ ضرور کوئی وحی نازل ہوئی اور میں ہلاک ہوا، جلدی جلدی حاضرِ حضور ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا، گزشتہ شب مجھ پر ایک ایسی سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا ومافیہا سے زیادہ عزیز ہے اور وہ ہے: ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا﴾ "اے محمد (ﷺ)! بے شک ہم نے آپ کو فتح دی، فتح بھی صریح وصاف تاکہ اللہ آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے۔

(مسند احمد:31/1)

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آیت کریمہ ﴿لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّـهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ نبی اکرم ﷺ پر حدیبیہ سے واپسی پر نازل ہوئی، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، رات مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا کی ساری چیزوں سے زیادہ عزیز ہے، پھر نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ آیت پڑھ کر سنائی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی (ﷺ!) مبارک مبارک! اللہ تعالیٰ نے یہ تو بیان فرمادیا کہ وہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا لیکن سوال یہ ہے کہ وہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟ تو اس کے جواب میں آپ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عِندَ اللَّـهِ فَوْزًا عَظِيمًا﴾

"اس لیے کہ وہ مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو بہشتوں جن کے نیچے نہریں بہہ رہیں، داخل کرے وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور تاکہ ان سے ان کی برائیاں دور کر دے اور یہ اللہ کے ہاں بہت بڑی کامیابی ہے۔" (سورۃ الفتح: 5) (مسند احمد: 4/255؛ صحیح بخاری:4836؛ صحیح مسلم:2819)

☆☆☆

جنت میں اک گھر دے مولا!

راہِ ہُدیٰ دِکھلا دے مولا
راہ غلط سے ہٹادے مولا
سنت کو پھیلا دے مولا
بدعت کو دفنا دے مولا
شمع جلا ایمان کی دل میں
کفر کی آگ بجھادے مولا
ہم کو بنا توحید کے داعی
دوئی اور شرک مٹادے مولا
دنیا کی ہر خیر ہبہ کر
دین کا علم سکھادے مولا
حرص وہوس سے پاک ہمیں کر
دل کو استغنا دے مولا
صحبتِ بد سے دور ہمیں رکھ
صالح دوست بنادے مولا
روٹھے ہوؤں کو کردے راضی
تو بھی اپنی رضا دے مولا
بھٹکے ہیں بدعات میں مسلم
سنت پر چلادے مولا
ماری ہوئی تقلید وغلو کی
امتِ وسط بنادے مولا
کذب ودغا کا زور ہوا ہے
مخلص ہم کو بنادے مولا
دینِ عجم سے ہم کو بچالے
دینِ عرب سمجھادے مولا
شکر کی دے توفیق زباں کو
دل کو صدق وصفا دے مولا
دوزخ کے شعلوں سے بچاکر
ہم کو تُو فردوس عطا کر
اپنا ہی بس ڈر دے مولا
دل میں تقویٰ بھر دے مولا
کلمہ گو بھی شرک کریں جو
ان کو موحد کر دے مولا
روشن دل اور پاک زباں ہو
ہم کو پاک نظر دے مولا
سچی بات ہو لب پر ہر دم
بات میں ایک اثر دے مولا
جینا ہو اسلام پہ اپنا
موت بھی ایماں پر دے مولا
ثاقب کی دن رات دعا ہے
جنت میں اِک گھر دے مولا

نتیجہ فکر

ڈاکٹر عبدالرب ثاقب ڈڈلی

☆☆☆

سنت زندہ ہونے پر خوشی

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

" إني لأرى الرجل يحيي شئا من السنة فافرح به ."

”میں کسی آدمی کو دیکھتا ہوں وہ کوئی سنت زندہ کرتا ہے تو میں اس پر خوش ہو جاتا ہوں۔“

(سیرۃ الامام احمد لابنہ صالح:143، وسندہ صحیح)

سنتیں کیوں مٹ جاتی ہیں؟

تابعی حسان بن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ما أحدث قوم بدعة في دينهم إلا نزع الله من سنتهم مثلها، ثم لا يعيدها إليهم إلى يوم القيامة ."

”جب بھی کوئی قوم اپنے دین میں کسی بدعت کو ایجاد کرتی ہے تو اللہ اس جیسی ایک سنت کو اٹھالیتا ہے، پھر وہ سنت قیامت تک لوٹائی نہیں جاتی!“

(سنن الدارمی:99، صحیح)

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

"وقد جعل الله سبحانه لكل مطلوبًا مفتاحًا يُفتح به : فجعل مفتاح الصلاة : الطهور، ومفتاح الحج : الإحرام، ومفتاح البر : الصدق، ومفتاح الجنة : التوحيد، ومفتاح العلم : حسن السؤال، ومفتاح النصر : الظفر والصبر، ومفتاح المزيد : الشكر، ومفتاح الولاية : المحبة والذكر، ومفتاح الفلاح : التقوى، ومفتاح التوفيق: الرغبة والرهبة،ومفتاح الإجابة : الدعاء، ومفتاح حياة القلب : تدبر القرآن والتضرع بالأسحار، ومفتاح الرزق : السعي مع الاستغفار والتقوى، ومفتاح العز : طاعة الله، ومفتاح كل شر : حب الدنيا وطول الأمل."

”اللہ نے ہر مطلوب کی ایک چابی بنائی ہے جس سے وہ چیز کھولی جاتی ہے، نماز کی چابی طہارت، حج کی احرام، نیکی کی سچ، جنت کی توحید، علم کی اچھا سوال، مدد کی صبر، مزید حاصل کرنے کی شکر، ولایت کی محبت وذکر، کامیابی کی تقوی، توفیق کی رغبت ورحمت، قبولیت کی دعا، دل کی زندگی کی قرآن میں تدبر اور آہ سحر گاہی، رزق کی چابی تقویٰ اور استغفار کے ساتھ تگ ودو، اور عزت کی چابی اللہ کی اطاعت ہے، جب کہ ہر برائی کی چابی دنیا کی محبت اور لمبی لمبی امیدیں ہیں۔“

(حادی الأرواح:ص100)

جرم دفعہ 296 تعزیرات ہند کی تائید کے واسطے یہ ثابت کرنا ضروری ہے:

اول: ایک جماعت عبادت مذہبی میں قانوناً مشغول تھی۔

دوم: جماعت مذکور میں ملزمان مخل ہوئے۔

سوم: یہ فساد قصداً کیا گیا۔

امور ہذا بالترتیب ثابت کرنے چاہئیں۔

نسبت امر اول میں کوئی شک نہیں ہے۔ نسبت امر دوم جسٹس محمود نے تحریر کیا ہے، بحوالہ الفاظ چیف جسٹس کے، قانون میں یہ نہیں درج ہے کہ کس امر کو فساد تصور کرنا چاہیے ہر ایک خاص مقدمہ میں یہ امر بطور بحث واقع فیصل ہونا چاہیے۔ تحریر مذکور جسٹس محمود، بمقدمہ سرکار بنام رمضان وغیرہ کی ہے۔ مقدمہ ہذا کے واقعات سے ملتے ہیں۔ مقدمہ مذکور میں امور ذیل ثابت کئے گئے تھے۔

اول یہ کہ ملزمان برابر چاروں جمعہ کو مسجد میں گئے۔ **دوم** یہ کہ انہوں نے لفظ آمین باآواز بلند کہنے سے جماعت میں، جو نماز پڑھ رہی تھی، فساد پیدا کیا۔ **سوم** یہ کہ پولیس نے اس فساد کو جو ملزمان نے پیدا کیا، رفع کرنے کے واسطے دست اندازی کی۔

مقدمہ مذکور میں ہائی کورٹ نے مدعاعلیہ

م کو جرم سے بری کیا تھا، مقدمہ ہذا میں بھی یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ملزمان برابر تین یا چار متواتر جمعوں کو ماہ جولائی میں آئے اور انہوں نے لفظ آمین باآواز بلند کہنے سے فساد کیا او جماعت میں، جو نماز پڑھ رہے تھے، مخل ہونے کا ارادہ کیا۔ مقدمہ ہذا میں بھی پولیس نے اسی فساد میں جو ملزمان کے لفظ آمین کہنے سے پیدا ہوا دست اندازی کی۔

بمقدمہ جنگو بنام احمد اللہ وغیرہ بطور نظیر فیصل ہو چکا ہے کہ غیر مقلد جو مسلمان ہیں مسجد میں جانے کا اور نماز پڑھنے کا اور لفظ آمین باآواز کہنے کا استحقاق رکھتے ہیں اور نیز یہ طے ہو چکا ہے کہ کوئی حد آواز کی از روئے قانون اہل اسلام مقرر نہیں ہے۔ مقدمہ مذکور میں چیف جسٹس نے یہ بھی تجویز کیا ہے کہ کوئی مسلمان یا اور شخص مسجد میں نماز پڑھنے کے واسطے نہ جائے، بلکہ بدنیتی سے فساد برپا کرنے کے لئے جاوے اور مسجد کے دیگر اشخاص کی عبادت میں دست اندازی کرے تو اس پر فوجداری مقدمہ قائم کیا جاوے گا۔ مقدمہ ہذا میں بیان ہوا ہے کہ ملزمان مسجد میں نماز پڑھنے کیلئے نیک نیتی سے نہیں گئے۔ اس امر کی تائید میں مستغیث بیان کرتا ہے کہ عدالت دیوانی میں ایک نالش مابین مقلد و غیر مقلد نسبت کہنے آمین باآواز بلند زیر تجویز ہے اور جب تک نالش مذکور فیصل نہ ہو جاوے تب تک استحقاق کی بابت جس کی نسبت دعوی کیا گیا ہے کچھ کاروائی نہ ہونی چاہیے۔

دوم: یہ کہ آواز، جس قدر اجازت ہے اس سے، بہت زیادہ بلند تھی۔ بروئے نظیرات محولہ بالا وعدم موجودگی شہادت نسبت اس امر کے کہ آواز مسجد سے باہر گئی جیسا کہ لفظ آمین معمولی آواز میں 18، 19 اشخاص کے کہنے سے آواز بلند پیدا کرے گا، دلیل مذکور قابل لحاظ نہیں ہے۔

سوم: یہ کہ غیر مقلدوں کے واسطے ایک مسجد جداگانہ موجود ہے۔ اور جمعہ کی نماز بارہ بجے مسجد مذکور میں پڑھی جاتی ہے۔ علاوہ بریں ملزمان جمعہ کی نماز خاص اپنی مسجد میں پڑھنے کے بعد جامع مسجد میں آئے۔

یہ امر تسلیم ہوا کہ محلہ خندق میں ایک خاص مسجد غیر مقلدوں کی ہے۔ من جملہ گواہان ثبوت کے ایک گواہ مسمی محمد عمر نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ جو مسلمان جمعہ کی نماز جامع مسجد میں پڑھے اسے ستر نماز کا ثواب ہوتا ہے۔ اس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ ہر ایک مسلمان خواہ کسی فرقہ کا ہو، جامع مسجد میں جانے کی ایک وجہ رکھتا ہے۔ دلیل ہذا کا دوسرا جزو میری تسلی کے لائق پورے طور پر ثابت نہیں ہوا ہے۔ جزو مذکور کا پیش کرنے والا مسمی نصیب خان مستغیث محمود خان و محمد عمر ہیں۔ نصیب خان کا بیان ہے کہ جملہ ملزمان سے میں واقف ہوں، میں مسجد خندق کے سامنے رہتا ہوں۔ میں نے ان سب کو مسجد مذکور میں جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ان سب کو جامع مسجد میں دیکھا ایسا بیان مشکل سے یقین ہو سکتا ہے۔

مستغیث کے طریقہ بیان سے اور اس امر سے کہ اس کا بیان دوسرے اظہار سے جو اس نے تحقیقات ابتدائی میں کیا، ساقط ہوا۔ میں اس کے بیان پر یقین نہیں کرتا۔ واقعات ہذا علاوہ بریں اس کے اول درخواست میں نہیں درج تھے۔ نہ نصیب خان نے پولیس کے روبرو نہ میرے روبرو تحقیقات ابتدائی میں اس قسم کا بیان کیا کہ بیان مذکور کی تائید بھی نہائت کمزور نوعیت کی ہے۔ محمود خان، جس نے حلفیہ یہ بیان کیا ہے کہ مسجد خندق میں جملہ ملزمان تھے نیز جامع مسجد میں موجود تھے، مظفر نگر سے میرٹھ میں خاص اس روز جمعہ کو آیا تھا۔ یہ ناممکن ہے کہ وہ جملہ ملزمان کو جان جاتا اور حقیقت یہ ہے کہ وہ تین اشخاص سے

زیادہ کی شناخت نہیں کر سکا۔ اور اس نے یہ بھی تسلیم کیا کہ میں عدالت میں بہ تلاش روز گار آیا ہوں۔ تیسرے گواہ محمد خان کا بیان اسی طرح غیر قرین قیاس ہے کہ میں مسجد خندق کی طرف گیا تھا اور جملہ ملزمان کو مسجد خندق سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔ اور ان سے یہ دریافت کیا تھا کہ کہاں جاتے ہو؟ انہوں نے جواب میں کہا تھا کہ تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا۔ اور تھوڑی دیر بعد اس نے سب کو مسجد میں دیکھا تھا اور ان میں سے چار اس کے سامنے تھے۔ باقی کی نسبت وہ یہ بیان کرتا ہے کہ میں نے باہر جاکر دیکھے تھے۔ اس امر میں بہت شبہ ہوتا ہے۔ جس کے یہ وجوہات ہیں کہ دو ہزار اشخاص وہاں موجود تھے اور گواہ مذکور اس فساد کے دیکھنے کے واسطے جو بعد نماز واقع ہوا ان میں ٹھہرا رہا۔ اس موقع پر میری رائے میں دو تین گواہ کی شہادت جو بدیں مضمون کے ہے کہ ہم نے مولوی حمید اللہ و دیگر اشخاص سے جو من جملہ ملزمان ہیں گفتگو کی تھی اور یہ کہ مولوی حمید اللہ نے کہا تھا کہ ہم اپنا مذہبی استحقاق رکھتے ہیں اور مقلدوں کے امام (ابو حنیفہ) کو گالی دی تھی، قابل یقین نہیں ہے۔ اس طریقہ سے جس میں ہر ایک گواہ نے اپنا اظہار دیا، یہ امر ظاہر ہوا کہ وہ سب سکھائے ہوئے ہیں۔ میری رائے میں یہ شہادت اس لئے پیش کی گئی تا کہ ملزمان کی شناخت کا ثبوت پختہ ہو۔

چہارم: دلیل مستغیث کی یہ ہے کہ ملزمان اس سے قبل تین جمعہ کو مسجد میں آئے تھے، مگر اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ یہی ملزمان آئے تھے اور نہ یہ بیان ہوا کہ کون آئے تھے۔ میں تمام بیان کو بمقابلہ ملزمان بطور ثبوت کے متصور نہیں کر سکتا۔

پنجم: مستغیث نے اخبار شحنہ ہند میں بھی ایک مضمون، جو احمد حسن شوکت نے جو من جملہ مدعا علیہم ہے تحریر و طبع کیا تھا، پیش کیا ہے۔ مضمون مذکور میں غیر مقلدوں کو اس امر کی بابت کہ وہ اپنے استحقاق ثابت ہونے کے واسطے عدالت دیوانی میں نہیں گئے جو ہائی کورٹ نے پیشتر تجویز کر دی ہیں، ملامت کرتا ہے۔ مضمون مذکور میں یہ نصیحت ہے کہ وہ اپنی نماز جامع مسجد میں پڑھیں اگر وہاں پیٹے جائیں تو عدالت میں جاویں۔ اس سے غیر مقلدوں کو یہ نصیحت ہوتی ہے کہ وہ، وہ کام کریں جن کے کرنے کا ان کو حق حاصل ہے۔ یعنی جامع مسجد میں جاویں اور لفظ آمین زور سے کہیں، صرف استحقاق کا قائم کرنا کوئی جرم نہیں ہے۔ نیز اگر چہ دیگر اشخاص کو اس امر سے کہ استحقاق موجود ہے اور اس پر عمل کیا جاتا ہے، ناخوشی پیدا ہووے۔ لہٰذا اخبار میں ایسے حق کا ذکر کرنا دیگر اشخاص کو فساد کرنے کا جوش دلانا نہیں کہا جا سکتا۔ میں یہ امر قطعی نہیں یقین کرتا کہ جامع مسجد میں لفظ آمین بآواز بلند پڑھنے کے لئے جانے سے کوئی ذاتی عداوت پیدا ہو۔ لیکن صرف ایک حرکت سے کہ غیر مقلد اپنی نماز کی رسم پورا کرنے کے لئے کسی ایسی مسجد میں جہاں بہ نسبت دیگر مساجد کے زیادہ ثواب ہوتا ہے، روکے گئے۔ و نیز اس وجہ سے کہ غیر مقلد یہ بات چاہتے ہیں کہ ہمارا استحقاق مسجد مذکور میں نماز پڑھنے کی نسبت واضح ہو جائے، ایسا کوئی بیان نہیں ہے کہ انہوں نے کسی اور طریقے میں کوئی بے ضابطگی کی ہو یا انہوں نے لفظ آمین بے موقع پڑھا ہو۔ مولوی رشید احمد نے جو فرقہ حنفی کے سردار ہیں یہ تجویز کی ہے کہ لفظ آمین بآواز بلند کہنے سے کسی کی نماز میں خلل واقع نہیں ہوتا بجز اوس شخص کی نماز کے جو لفظ آمین بآواز بلند پڑھے۔ مجملہ چار کے تین امام کے پیرو کار لفظ آمین بالجہر کہتے ہیں۔ اور کتاب در مختار میں جو جامع مسجد کے قاضی نے، جو گواہ ثبوت ہے، منظور کی ہے، لفظ جہر کی بابت تحریر ہے کہ ہر ایک شخص مسجد میں سن سکتا ہے، صورت مذکور میں لفظ آمین بآواز بلند کہنے سے کسی اہل اسلام کی نماز میں خلل نہیں ہو سکتا۔ در حقیقت اس سے صرف یہ خلل پیدا ہوتا ہے کہ پرستش کنند گان کے خیالات خدا کی طرف سے بدل جاتے ہیں اور بعد الحمد کہنے (سورہ فاتحہ ختم کرنے کے بعد) کے قاضی جو کہ امام ہے بہ نسبت معمول کے زیادہ عرصہ تک ٹھہرا رہا اور بموجب ان کی غیر تائید شہادت کے وہ اصل فقرہ قرآن کا، جس کے پڑھنے کا ارادہ تھا، بھول گیا۔ گواہ ہذا کے مرتبہ پر غور کرنے سے میری یہ رائے ہے کہ آپس کی رنجش کی وجہ سے ان کی جماعت کے لوگوں نے ان کو ایسے بیان کرنے پر مجبور کیا ہے۔ اس موقع پر میں تجویز کرتا ہوں کہ مقدمہ ہذا میں گواہان علاوہ قاضی عبد الباری کے ایسی حیثیت کے نہیں ہیں جیسے ایسے شدید مقدمہ میں ہونے چاہئیں جو کہ دو ہزار اہل اسلام میں سے منتخب کئے گئے تھے۔ فی الحقیقت مجھ کو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ استغاثہ ہذا صرف مقدمہ سرکار بنام محمد کا بدلا ہے جس کا تجویز ہذا میں اوپر جواب دیا ہے۔ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ملزمان جامع مسجد میں متواتر تین جمعوں کو گئے تھے۔ مگر اول جمعہ کو، نہ دوم جمعہ کو نہ اس تیسرے موقع پر مقلدوں نے لفظ آمین بآواز بلند کہنے کے مقابلہ میں کوئی کاروائی کی۔ انہوں نے استغاثہ اس وقت دائر کیا جب کہ ان میں سے ایک پر یہ الزام لگایا گیا کہ فریق مقابل ایک شخص کو بوجہ لفظ آمین بآواز بلند پڑھنے کے جوتوں سے مارا۔ میری رائے میں بروئے واقعات جو بموجب شہادت ثابت ہوئے ہیں، کوئی فساد متعلقہ دفعہ 296 تعزیرات ہند واقع نہیں ہوا۔ اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ملزمان جامع مسجد میں فساد پیدا کرنے کے لئے گئے۔ لہٰذا حسب دفعہ 253 ضابطہ فوجداری استغاثہ ڈسمس کیا گیا اور ملزمان رہا کئے گئے۔ 18۔ اگست 1892ء دستخط مسٹر رائٹ (بحروف انگریزی)

(مجموعہ فیصلہ جات مقدمات آمین بالجہر۔ منقول از ضمیمہ شحنہ ہند مطبوعہ 16 مئی 1897ء)

مقدمہ آمین بالجہر 1892ء

باجلاس مسٹر رائٹ مجسٹریٹ میرٹھ

سرکار بنام غلام محمد۔ دفعہ 296 تعزیرات ہند

فیصلہ: واقعات متذکرہ مقدمہ ہذا بروز جمعہ 29 جولائی 1892ء بوقت نماز دوپہر جامع مسجد میں

واقع ہوئے۔ مسجد مذکور میں تین جمعہ گزشتہ کو چند آدمی اہل حدیث کے آئے۔ مسجد مذکور اس وقت تک اہل اسلام متعلقہ فرقہ حنفیہ کے جداگانہ استعمال میں تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فریقین میں تنازعہ برپا ہوا چونکہ فرقہ اہل حدیث دونوں رکعت میں لفظ آمین بآواز بلند پڑھتے ہیں اور فرقہ حنفی اس لفظ کو آہستہ کہتے ہیں، پس فساد روکنے کیلئے مسجد مذکور میں پولیس بھی موجود تھی۔ تاریخ تنازع کو نماز حسب معمول شروع ہوئی اور دونوں رکعت میں بعد پڑھنے الحمد کے لفظ آمین بآواز بلند پڑھا گیا۔ نماز کے ختم ہونے پر بروقت دعا مانگنے غلام محمد اٹھ کر حسینی (حاجی محمد حسین) کی طرف گیا جس نے لفظ آمین زور سے پڑھا تھا اور اس کو جوتے مارے۔ پولیس نے فوراً دست اندازی کی۔ اور ملزم پر یہ الزام لگایا گیا وہ ایک جماعت میں جو نماز پڑھ رہے تھے، مخل ہوا۔ مقدمہ ہذا میں حملہ تسلیم کیا گیا۔ حالانکہ ملزم نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی اور گواہ پیش کئے کہ حملہ اس زبانی تکرار کی وجہ سے لفظ آمین پر واقع ہوا جس میں حسینی نے ملزم اور اس کے امام کو گالی دی۔ برخلاف اس کے حسینی کا یہ بیان ہے کہ بلا کچھ کہنے کے جوتے مارے اور میں خاموش رہا۔ سب انسپکٹر جو نماز پڑھ رہا تھا (حالانکہ وہ مقلد ہے) حسینی کے بیان کی تائید کرتا ہے اور میں کوئی وجہ بیان مذکور پر یقین نہ کرنے کی نہیں دیکھتا۔ ثبوت کا نہائت معزز گواہ مسمی قاضی عبد الباری یہ نہیں بیان کرتا کہ مارنے سے پہلے جوش کی کوئی گفتگو ہوئی تھی۔ اور جن گواہوں نے ملزم کی تائید کی ہے میں انکے بیانات پر یقین نہیں کرتا میں بلا توقف تحریر کرتا ہوں کہ غلام محمد نے ازخود حملہ کیا۔

اب یہ اَمر فیصلہ طلب ہے کہ جو فعل صادر ہوا وہ ایسا ہے کہ حسینی ایک جماعت میں جو نماز پڑھنے میں قانوناً مشغول تھے، خلل پیدا کیا۔ اس موقع پر میں مقدمہ سرکار بنام رمضان وغیرہ کا حوالہ دیتا ہوں جس میں جسٹس محمود نے یہ الفاظ استعمال کئے ہیں: اگر بحث نماز میں یا بعد میں واقع ہو حالانکہ وہ مسجد میں ہو، میرے یقین میں گو بحث مذکور فساد تصور کی جاوے تاہم وہ منشا دفعہ 296 میں نہیں ہو سکتی۔

جسٹس محمود نے انگریزی مقدمہ ولیم بنام کلکٹر کا بھی حوالہ دیا جس میں یہ قرار پایا ہے کہ مدعاعلیہ پر جس نے ایک نوٹس پادری کمرہ میں جاتا تھا جب کہ عبادت نہیں ہو رہی تھی، پڑھا، مقدمہ فوجداری قائم نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ مسجد گرجا سے ہر صورت میں مطابق نہیں ہو سکتی۔ تاہم میری رائے میں مقدمہ مذکور میں جو فعل مدعاعلیہ نے کیا وہ اس فعل سے مقدمہ ہذا میں واقع ہوا، مطابق ہے۔ میری رائے میں دعا مانگنا اس نماز سے جو انگریزی نماز کے ختم ہونے پر خاموشی سے پڑھی جاتی ہے، مطابق ہے۔ قاضی کی شہادت سے واضح ہوتا ہے کہ دعا مانگنا عموماً اس وقت تک جاری رہتا ہے جب کہ امام ازخود نماز ختم کر لیتا ہے جیسا کہ انگریزی نماز میں پادری کی نماز ختم کرنے سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ جملہ حاضرین رخصت ہوں۔ تاہم کسی صورت میں نماز کی کوئی ظاہر احد نہیں۔ اور نہ کسی صورت میں دعا بطور ایسی چیز کے ہے کہ بغیر اس کے نماز نہیں ہوتی۔ دعا مانگنے کی نسبت یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ مکان پر مانگی جاوے۔ اکثر وہ قطعی نہیں مانگی جاتی۔ وہ نماز کا کوئی ضروری جزو نہیں، کوئی فرض نہیں مگر اس کے مانگنے سے فائدہ ہے۔ اگر نہ مانگی جائے تو کوئی گناہ نہیں۔ مستغیث نے تسلیم کیا ہے کہ حملہ امام کے دعا مانگنے میں واقع ہوا۔ جس امر کی نسبت تفاوت پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ غیر مقلدوں کا یہ بیان ہے کہ دعا نماز کا ضروری جزو ہے۔ اور مقلدوں کا یہ بیان ہے کہ وہ ضروری جزو نہیں۔ فریقین نے اپنے اپنے بیانات کی تائید میں منتخب حدیثیں پیش کی ہیں۔ مگر میری رائے میں وزن شہادت مدعاعلیہ کے دلائل کی جانب ہے۔ اہل اسلام میرٹھ کے مذہبی سردار نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ وہ نماز کا ضروری جزو نہیں۔ لہٰذا میری رائے میں نماز کا کوئی ایسا جزو جس کا ادا کرنا فرض ہے اور جس کے پڑھنے سے خاص ثواب حاصل ہوتا ہے، بروقت ارتکاب حملہ جاری نہ تھا۔ اس موقع پر یہ تحریر کرنا پچھلی بات کی تائید کے واسطے ضروری ہے کہ حملہ فوراً ان الفاظ کے بعد، جن سے فساد پیدا ہوا، واقع نہ ہوا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ٹھہرنے سے ملزم کی کوئی خاص غرض تھی۔ یہ قیاس ہوتا ہے کہ اس کا ارادہ نماز ختم ہو جانے کے بعد تک ٹھہرے رہنے کا تھا۔ اگر اس کا ارادہ یہ ہوتا تو وہ لفظ آمین پر جو زور سے پڑھا گیا فوراً کھڑا ہو جاتا۔ اس صورت میں اشتعال شدید دفعتاً ہوتا اور ایسی کاروائی کرنے کا اس کو زیادہ استحقاق قانوناً حاصل ہوتا۔ مگر ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا منشا دیگر اشخاص کی نماز میں دست اندازی کرنے کا نہ تھا اور نہ وہ خاص اپنی نماز چھوڑنا چاہتا تھا۔ اس لئے وہ نماز ختم ہونے تک ٹھہرا رہا۔ لہٰذا میری رائے میں بموجب دفعہ 296 تعزیرات ہند کوئی جرم واقع نہیں ہوا مگر غلام محمد بلا شک بموجب دفعہ 323 تعزیرات ہند آتا ہے، اس نے ازخود ضرب پہونچائی۔ میری رائے میں اس قدر جوش نہ تھا جس کی بنا پر اس کو کاروائی کرنے کا استحقاق حاصل ہوتا۔ میں غلام محمد پر دفعہ 323 تعزیرات ہند قائم کرتا ہوں اور مبلغ ۲۵ روپے جرمانہ کرتا ہوں۔ اگر جرمانہ ادا نہ کرے تو دو ہفتہ قید سخت رہے اور حسب دفعہ 106 ضابطہ فوجداری میری رائے ہے کہ غلام محمد سے مچلکہ تعدادی سو روپیہ معہ دو ضمانت تعدادی سو سو روپیہ میعادی چھ ماہ لیا جائے۔ اگر مچلکہ و ضمانت داخل نہ کرے تو چھ ماہ قید محض رہے۔ چنانچہ یہ حکم دیا جاتا ہے۔ 20۔ اگست 1892ء (دستخط مجسٹریٹ)

(مجموعہ فیصلہ جات مقدمات آمین بالجہر۔ منقول از ضمیمہ شحنہ ہند مطبوعہ 16 مئی 1897ء)

☆☆☆